جذباتِ ہوشؔ

منزلِ عشق میں ہم شوق کے مارے آئے
ضعفِ پیری ہے مگر دن کے سہارے آئے

پرتھوی راج ہوشؔ

ملنے کا پتہ

آزاد بک ڈپو ہال بازار امرتسر

مضمون	صفحہ
جذباتِ ہوش	۱
دیباچہ و تمہیدیہ	۴
مناجات ہوش	۷
سجدۂ ہوش	۱۹
خاکِ وطن	۳
میری شاعری میں اردو	۱۶
میری شاعری	۱۸
سپاہی کی سچی زندگی	۱۹
رجوع سادگی	۲۰
طفلِ یتیم	۲۳
قسمت اور خوش قسمت کون	۲۹
اولاد	۳۱
شادی	۳۳
غریبوں کی دُنیا کہیں دُور ہوتی	۳۵
دھرم سیاست کا تعارف اور تشریح	۳۹
سائنس کی ترقی	۴۱

مضمون	صفحہ
ذکرِ سماج	۴۳
جب بھی فصلِ بہار ہوتی ہے	۴۵
شاعرِ فطرت	۴۹
اشک و آنسو	۵۰
مدار شاعری و حصول شاعری	۵۲
دیوتا انسان	۵۳
میلہ رام تیرتھ	۵۴
دان اور مہربانی و فریضہ	۵۷
جنابِ حضور بنو	۵۸
رُوحِ مقدس بھارت ماتا پیغام اور اپیل	۵۹
میرے وطن کا ثانی کوئی وطن نہیں ہے	۶۵
پاسبان و باغبان	۷۲
ناز ہے اے مادرِ ہندوستان	۷۵
مہاتما رابندر ناتھ ٹیگور	۷۸
تاشقند	۸۲
ڈاکٹر رادھا کرشنن جی	۹۰

ڈاکٹر زادھا یوم ولادت ۹۱
ٹیچر ڈے اور یادگار ۹۱
ٹیچر اور ٹیچر کی فرض شناسی ۹۳
فرض انسانی ۹۶
ایکتا کی حفاظت ۹۷
پوجیہ بھارت رتن اندرا گاندھی ۹۹
پوجیہ نیتاجی سبھاش چندر بوس ۱۰۳
ہری کشن سرحدی جوان ۱۰۶
سلام۔ اُس فخرِ قوم کو میرا سو سو سلام ہے ۱۰۹
بہبود خاص عام ترنگے تجھے سلام ۱۱۴
نازہے ہمکو وطن کی سرزمین پر ناز ہے ۱۱۸
حق و مزاج ۱۲۱
فرضِ بشر ۱۲۲
نگارِ آفرینش عاشق کی عید ۱۲۵
عاقبت پر ایک نظر ۱۲۹
ہندو کا جو بھگوان ہے مسلم کا خدا ہے ۱۳۲
بھگت اور بھگوان ۱۳۹
شانِ خدا۔ رحمت و زحمت ۱۴۱
میں کون ہوں ۱۴۳

بار اوّل

مصنف و ناشر پرتھوی راج

کرم پورہ نئی آبادی امرتسر

قیمت ساٹھ روپے ۶۰/-

کتابت منیر الدین

طباعت Khowaja Press Delhi

دیباچہ و تمہیدیہ

محترم حضرات کرام !! بندہ کے مجموعی اردو ادب کے مطالعہ کا ماخذ یہ ہے، کہ مصنفین
و مؤلفین اپنے ذاتی رجحان یا صحبتِ اربابِ ادب کی کشش یا رشک و اعانت کے زیر اثر کچھ شہرت حا
کرنے کیلئے اپنے دل و دماغ کے جذبات کا اظہار کرنے کیلئے اپنی نوک قلم اور روشنائی کے سہارے
خیالات کی مصوری کرتے ہیں۔ جس سے انکی جملہ اصناف سخن کی ہر ممکن واقفیت کو بھی ظاہر کرنا ہوتا ہے لیکن
ناظم و ناشر اپنے پروازِ خیال کے اس مقام کو قائم نہیں کرتے جو مقام زمانہ ماضی کو حال اور حال کو مستقبل
موازنہ اور بہترین موزونیت سے قائم ہوتا ہے۔ جو کہا یا لکھا ہوا مستقبل کے ماضی بن جانے پر پیشین گوئی ثا
ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر زبان کے صوفی شعراء کرام کا یہی مسلک رہا ہے اسلئے انکو عام دینوی مقدس کر
میں بڑا محترم مقام حاصل ہوا ہے۔ اردو ادب کے پہلے پانچ ادوار میں جو کہ محض جاگیرداروں کی شوق
قدر دانی سے غریب شعراء کی پرورش کا ایک وسیلہ تھا۔ تاہم وہاں بھی بعض اچھے شعراء کی رسائی نہیں
تھی اسلئے وہ بھی گمنام ہی رہ جاتے تھے۔ البتہ پس مرگ بعض خدا شناس قدر دانی اور مہربانی سے
شہرت نصیب ہو جاتی تھی لیکن دور حاضرہ کے آدھی صدی کے آزاد دیش بھارت میں تو بقول نامعلو
شعر ہے۔ کیا کہیں ؟ کچھ کہا نہیں جاتا ۔ بن کہے بھی رہا نہیں جاتا

اس اعزاز و انعام اور اکرام کی فراوانی نے شاعری کا تو ایسا بازار گرم کیا ہے کہ انسان کو ذرا سی
نصیب ہو جائے خواہ کسی انداز سے ملی ہو۔ وہ شعر جو چلتا ہے جسکا چاہے چھپوا کر اد گھاٹن کروا کر اپنے
مقاصد کو حاصل کر سکتا ہے۔ بلکہ آسودگی سے دن گزار سکتا ہے۔

حضرات میں ایک ایسا فرد ہوں کہ ! شعر۔ عمر بھر مقدر پہ اے ہوش اپنے
کبھی رو دیئے ہم کبھی مسکرائے،

حضرات! اس لئے مجھے بھی چند درپیش حالات کے زیر اثر برہنہ پا یہ شعر ادب پسند آگیا ہے مگر میں نے تو طفلی سے جوانی اور اس پیری تک بے نیاز سلیقہ سے اپنی نوک قلم کی جنبش سے سوز سخن کو تاب دی ہے، یعنی عین پاکیزہ جذبات کا نہایت آسودگی سے اظہار کیا ہے۔ چنانچہ پیش تر ازیں ایک پنجابی گیتا تجلی کا کتابچہ اور دوسرا نسخہ رباعیات و قطعات کا مجموعہ موسومہ بہ گلزار ہوش بہترین انداز سے پیش کیا ہے جو مقبول ثابت ہوا ہے

میں نے بچپن سے اُردو فارسی اور اس کے ساتھ ہی ہندی، پنجابی زبانوں میں حب الوطنی ایثار محبت اور تہذیب و تمدن کو اخلاق و ہمدردی سے سنوارہ ہے۔ یہاں تک کہ میں نے دو سو سے زائد غزلیات میں بھی مذکورہ بالا جذبات کو خوش انداز سے نظم کیا ہے۔ میں نے جملہ اصناف سخن کے ہر پسندیدہ موضوع پر کافی احتیاط سے لکھا ہے۔ مثلاً۔ فرد۔ مثلث۔ مربع۔ مخمس۔ مسدس۔ اور مسبع و مثمن مقسع شعر کے علاوہ عقائد سہرے۔ خیر مقدم۔ الوداع وغیرہ کافی پیش کئے ہیں۔ میرے جملہ کلام کی خاصیت ہے کہ سکتہ سے محفوظ اور چست بندش پر منحصر ہے۔ جو مجھے خود پسند ہے۔

القصہ۔ اگر میرے کلام مذکورہ بالا میں کوئی خوبی موجود ہوئی تو کلام ہی ثابت کرے گا۔ تاہم ہر ایک انسان کو کچھ نہ کچھ عرض کرنا ہی ہوتا ہے۔ میرے کلام میں صوفیانہ رنگ بکثرت ہے۔ حالانکہ کچھ رندانہ فراخ ادیب صوفیانہ شاعری کو خشک شاعری کہتے ہیں۔ لیکن میں نے اپنے پند و نصائح اور پیام وغیرہ کی رندانہ شاعری کو صوفیانہ رنگ دے کر بیساکانہ ایک متحمل مزاج سے ہر مذہب و ملت کی قید سے آزاد رکھ کر مصوری کی ہے چونکہ اب تک تمام عمر ایک عبرت درد افلاس تعمیر ہوئی ہے۔ چونکہ شاعر کے لئے شدتِ احساس اور درد اشد ضروری ہے۔ لیکن میں نے اپنی تشنگی ترشی کو دل و دماغ کی خداداد نعمت کے سائے میں دوست اور دشمن کو بلاتمیز بے خوف و دلیرانہ نظر دیکھا ہے۔ یہی خود شناسی کے بعد میرے فرض شناسی میں ڈھل

جاتی رہی ہے۔ چنانچہ میری ایک غزل کا ایک شعر ذیل ہے۔

عبادت سے ریاضت سے زیارت سے کہیں بڑھ کر
میں اپنے فرض میں ہی بندگی محسوس کرتا ہوں !

میں نے اپنی ساری گزشتہ و پیوستہ عمر میں خود شناسی کی بدولت ہی عین صبر و سکون کو اپنا
دوست بنا کر ہر درپیش مشکل کو جرأت سے آسان کیا ہے جس سے میری روح کی سادگی کو تقویت ملتی رہی
ہے۔ ان اسباب سے ہی میرے کلام کے عنوانات کو ضیائے اثر ملی ہے۔ ممکن ہے کہ میرا یہ مجموعۂ کلام موسوم
جذباتِ ہوش جو اس دیباچہ کی رسمی نشان دہی ہے۔ میرے من کا آئینہ دار ہو،
مہربان حضرات !! میں کتاب جذباتِ ہوش کے بارے میں مزید کچھ کہنے سے گریز کرتا ہوا
کیونکہ میرے قریب اپنی تعریف اور پھر اپنے منہ سے واجب نہیں ہوتی۔ تاہم میں اپنی ایک التجا قبول کروا
ضرور چاہتا ہوں۔ کہ اگر میرا کوئی کلام آپ کی نظر سے گزرے تو آپ اپنی حسب نشان اپنی رائے سے میرے
مندرجہ پتہ پر آگاہ فرما کر احسان کریں تا کہ میں اسے نوٹ کر سکوں اور آپکے شکریہ کی کوشش کروں۔

راقم۔ نیاز کیش ماسٹر پرتھوی راج ہوش ادیب عالم۔
مکان نمبر ۲۴۹۴ گلی نمبر ۲ نئی آبادی۔ گھرم پورا امرتسر پنجاب

مُناجات

مجھے سب سے دنیا میں پیارا ہو تو ہی　　میری آنکھ کا چاند تارا ہو تو ہی
میرے رُوبرو جلوہ آرا ہو تو ہی　　تو ہی ہے نہاں آشکارا ہو تو ہی

نظر میں میری ہر نظارہ ہو تو ہی
میری زندگی کا سہارا ہو تو ہی

میری سُن دُعا دو جہانوں کے مالک　　زمین و زماں آسمانوں کے مالک
مکینوں کے والی مکانوں کے مالک　　یہ دُنیا کے سب کارخانوں کے مالک

میرے رُوبرو جلوہ آرا ہو تو ہی
تو ہی ہے نہاں آشکارا ہو تو ہی

شبِ تار جب میں ستاروں کو دیکھوں　　میں گل کو چمن کو بہاروں کو دیکھوں
میں دشت و جبل آبشاروں کو دیکھوں　　بڑے شوق سے ان نظاروں کو دیکھوں

نظر میں میری ہر نظارہ ہو تو ہی
میری آنکھ کا چاند تارہ ہو تو ہی

میری ناؤ گرداب میں آگئی ہو گھٹا مجھ پہ اُدبار کی چھا گئی ہو
میری عقل جس دم کہ چکرا گئی ہو طبیعت میری جبکہ گھبرا گئی ہو
تو ہی ناخدا ہو کنارا ہو تو ہی !
میری زندگی کا سہارا ہو تو ہی

نہ کعبہ و کاشی کی منزل میں ڈھونڈوں نہ شیخ و برہمن کی محفل میں ڈھونڈوں
نہ دنیا میں تجھکو نہ جنگل میں ڈھونڈوں تجھے دل میں پاؤں تجھے دل میں ڈھونڈوں
میری جستجو کو گوارا ہو تو ہی !
مجھے سب سے دنیا میں پیارا ہو تو ہی

فرشتہ میری موت کا آن نکلے، میں لوں ہچکیاں اور میری جان نکلے
کوئی بات منہ سے نہ آسان نکلے میری ایک حسرت یہ ارمان نکلے
خموشی میں دل سے پکارا ہو تو ہی
گنہگار ہوں اب سہارا ہو تو ہی

مجھے مامتا نہ ستائے کسی کی — مجھے یاد ہرگز نہ آئے کسی کی
نہ آواز مجھکو اٹھائے کسی کی، — نہ تب آنکھ آنسو بہائے کسی کی

میرے ضبطِ غم کا اشارا ہو تو ہی!
میرے سوزِ دم کا شرارا ہو تو ہی

مجھے کوئی، مٹی کی تہہ میں دبادے — مجھے کوئی شعلوں میں رکھ کر جلادے
مجھے کوئی گنگ وجمن میں بہادے — میری خاکِ تن کوئی رکھ لے اڑادے

مجھے کیا! میرا ہر دوارا ہو تو ہی
میرے فرعِ روح کا ادارا ہو تو ہی

مگر مجھکو خاکِ وطن ہے پیاری — نمودِ عناصر ہوئی اِس سے پیاری
اِسی سے ہوئی جسم وتن کی اُساری — اِسی پر ہے جیون کی مدت گزاری

پیاری ہے مجھکو پیارا ہو تو ہی
یہ محسن بھی اب غم گسارا ہو تو ہی

۱۳ اپریل ۱۹۳۳-۳۴ء — ملتان شہر

سجدۂ ہوش

جو میرا خالق ہے اور پروردگار
اُس کو سجدے میں کروں گا بار بار

جس کو ہے دونوں جہاں پر اختیار　　جس کا ہے قانون ہر اک پائیدار
آجتک جس کا ہوا نہ راز داں،　　جو یہاں پنہاں وہیں ہے آشکار

وُہ میرا خالق ہے اَور پروردگار
اُس کو سجدے مَیں کروں گا بار بار

اُس کی رحمت کا ہے سب کو انتظار　　اُس کے ہے فیض و کرم پر اعتبار
اپنی قدرت سے ہے وہ آئینہ دار　　وُہ کہیں خالق کہیں پروردگار

اُس نے دی طفلی جوانی کی بہار
اُس نے دی پیری میں تقویت ہزار

اُس نے کی میری عناصر سے نمود — اُس نے یہ بخشا مجھے اشرف وجود
اُس نے دی مجھکو جبیں پر سجود — اُس نے دی دانش برائے ہست و بود

وہ مِرا مالک ہے اور ربّ حدود

اُس کو سجدے مَیں کروں گا بار بار

میری دانش میری حکمت کچھ نہیں — میری عظمت میری عزت کچھ نہیں
میری صورت میری سیرت کچھ نہیں — میری طاقت میری ہمت کچھ نہیں

میرا یہ گھر بار و دولت کچھ نہیں

سب اُسی فیاض کا ہے اختیار

جس نے یہ حبِ وطن بخشی مجھے — جس نے یہ زورِ سخن بخشی مجھے
جس نے شعروں کی لگن بخشی مجھے — جس نے یہ شوقِ فن بخشی مجھے

جس نے بخشی کی شرن بخشی مجھے

بھید یہ جس نے کیا ہے آشکار

بخشی سے مراد بخشی گوردھن لال ڈی پی آئی۔

یہ میرا شعر و سخن وہم و خیال بے کمائی ہے میرا کسب و کمال
کر سکوں جو ناز کیا؟ میری مجال ناز کے قابل نہیں حسن و جمال
ذاتِ قدرت ہے بڑی ہی ذوالجلال
اُس کی رحمت پر ہے میری جاں نثار

وہ جسے چاہے کرے زیر و زبر اُس کی قدرت سے ہے انساں بے خبر
سلطنت اُسکی ہے بے خوف و خطر عرش سے تا فرش ہے زیرِ اثر
اُس کی ہو مجھ پر عنایت کی نظر
ہو میرا اُسکے عزیزوں میں شمار

اُسکی ہے زورِ قلم پر سروری اُس کا ہے احسان و بندہ پروری
میں ہوں محتاجِ کلامِ انوری! مجھ پہ ہو لطفِ نگاہِ محوری
سال رحمت کا ہے ماہ فروری
ہے چمن میں موسمِ فصلِ بہار

بخشش دینا ہی رہا اُس کا اصول ! اُسکی حرمت سے اڑے دوزخ میں دھول
اُسکی شفقت ہو تو ہر کانٹا ہے پھول اُسکی بخشش ہو تو ہر خواہش قبول

ماں مگر انسان اُسے جائے نہ بھول
ہوش ہیں اپنے ارادے اُستوار
اُس کو سجدے میں کروں گا بار بار
وہ میرا خالق ہے اور پروردگار

خاکِ وطن

اے خاکِ وطن تجھ میں چھپے لال بہت ہیں عظمت کی تیری ملتے خط و خال بہت ہیں
دیرینہ ہے تو تیرے ماہ و سال بہت ہیں ماضی کے زمانے میں دبے حال بہت ہیں

جو تیرے تقدس پہ کروں ناز بجا ہے
جو کچھ بھی زمانے کو دوں آواز بجا ہے

خاکِ وطن

تو ہے کہ تیرا سب سے ہے اتہاس پرانہ
تو ہے کہ تیرا دہر میں ہے باس پرانہ

ہر ایک ہے تیرے سینے میں احساس پرانہ
صدیوں کا تدبّر ہے تیرے پاس پرانہ

ہر دَور میں تیرا کوئی ثانی نہیں مِلتا

تعمیر کا تیرے کوئی بانی نہیں مِلتا

اے خاکِ وطن تجھ سے مجھے پیار بڑا ہے
ہر ذرّے میں تیرا مان ہے تسکار بڑا ہے

جیون ہے تیرا دان یہ اپکار بڑا ہے
اَے خاکِ وطن مجھ پہ تیرا بار بڑا ہے

ہوں فکر میں کس ڈھنگ سے احسان اُتاروں

صدقے میں تیری پریت کے کیا؟ جاں نثاروں

آ میں اہلِ قلم سے ہوں لکھوں تیرا افسانہ
دہراؤں تیری شان کا اتہاس پرانہ

ہر کان سے مرلوٹ کر دل تیرا ترانہ
تسلیم کرے تیری بزرگی کو زمانہ

اس فرض میں داخل اے وطن حبِ وطن ہے

اس عرض میں شامل اَے وطن حبِ وطن ہے

اے مرغِ تخیل تجھے پرواز عطا ہو! اے جوہر اندازِ سخن ناز عطا ہو
اے حبِ وطن شوقئے انداز عطا ہو اے طرزِ تکلم تجھے آواز عطا ہو
قدرت نے دعائے لبِ خاموشی سنی ہے
رحمت نے یہ آواز تیری ہوش سنی ہے

اے ہوش تو اک سوختہ سوزِ سخن ہے تو تلمذ رحمان سے اک بندۂ فن ہے
تو بندش الفاظ و معانی کا چمن ہے تو بلبلِ شیدائے گلِ حبِ وطن ہے
جا تجھ کو عطا دولت آدابِ سخن کی!
جا تجھ کو عطا رغبتِ اصحابِ سخن کی

قلم تیار ہو کہ حالِ دل تحریر میں لاؤں زباں جنبش میں آ کہ رازِ دل تقریر میں لاؤں
اے رنگ شاعری تو آ تجھے تدبیر میں لاؤں تخیل اٹھ تجھے میں خواب کی تعبیر میں لاؤں
بتا دوں کھول کر ارضِ وطن کو مدعا دل کا
سنا دوں آج ہر اہلِ زباں کو ماجرا دل کا

میری شاعری میں اور وہ

میری شاعری دردِ دلوں کی دنیا — میری شاعری آہ و نالوں کی دنیا
میری شاعری خستہ حالوں کی دنیا — میری شاعری پائمالوں کی دنیا

میری شاعری ہے غریبوں کا رونا
میری شاعری ہے نصیبوں کا رونا

میری شاعری آرزو ہر کسی کی — میری شاعری جستجو ہر کسی کی!
میری شاعری گفتگو ہر کسی کی! — میری شاعری ہو بہو ہر کسی کی!

ہے تصویر کھینچی ہوئی زندگی کی
ہے تفسیر لکھی ہوئی زندگی کی

مصوّر ہوں میں میری تصویر غم ہے — مدبّر ہوں میں میری تدبیر غم ہے
مقرر ہوں میں میری تقریر غم ہے — محرّر ہوں میں میری تحریر غم ہے

میری ابتدا انتہا غم ہیں دونوں
میرا واقعہ ماجرا غم ہیں دونوں

غموں کا میں خوگر ہوا جا رہا ہوں ! یہاں تک کہ غم میں مزا پا رہا ہوں
غلط ہے یہ کہنا کہ گھبرا رہا ہوں ! نہیں ہوش طرفِ سکوں آ رہا ہوں

سکوں مخزنِ دولت دو جہاں ہے
سکوں دامنِ رحمت بے کراں ہے

وہ دیوانہ کہتے ہیں کہنے دو پھر کیا ؟ پرے مجھ سے رہتے ہیں رہنے دو پھر کیا!
مجھے اُن کی ہر بات سہنے دو پھر کیا ! میری آنکھ سے اشک بہنے دو پھر کیا!

گرم آنسوؤں سے جو دل سرد ہو گا
ستم اُن کا ہی حامئے درد ہو گا!

وہ خود کہہ اٹھیں گے کہ خود دار ہے یہ زمانے میں فرد طرحدار ہے یہ
محبت کا بالکل سزاوار ہے یہ ہمیں بے وفا تھے وفادار ہے یہ

جفاؤں سے اپنی پشیمان ہوں گے
وہ نامہرباں ہیں مہرباں ہوں گے

۲۸-۳-۱۹۳۳ء ازہوش ملتان شہر

میری شاعری

میری شاعری راہ زنوں سے ہے واقف
میری شاعری دشمنوں سے ہے واقف
میری شاعری سخیوں سے ہے واقف
میری شاعری دُرجنوں سے ہے واقف
میری شاعری قافلوں کی ہے رہبر
میری شاعری ناقلوں کی ہے رہبر

میری شاعری دوستی کا خزانہ
میری شاعری ہمدمی کا زمانہ
میری شاعری عاشقی کا ترانہ
میری شاعری دلبری کا بہانہ
میری شاعری آشناؤں کا دل ہے
میری شاعری مبتلاؤں کا دل ہے

میری شاعری زہد و تقویٰ کو جانے
میری شاعری شانِ اللہ کو جانے
میری شاعری حج و سجدہ کو جانے
میری شاعری جلوہ پردہ کو جانے
میری شاعری ترجمانِ حقیقت
میری شاعری ہے بیانِ حقیقت

میری شاعری گُل کو بُلبل کو سمجھے : میری شاعری ساغرِ ومل کو سمجھے
میری شاعری ہر حسین جل کو سمجھے میری شاعری جزو و ہر کُل کو سمجھے

میں اندازِ مہر و وفا جانتا ہوں
میں دنیا کی ہر اک ادا جانتا ہوں

سپاہی کی سچّی زندگی

مَیں قرباں جاؤں تیرے ہندی بانکے میں قرباں جاؤں تیرے جسم وجاں کے
مَیں قرباں جاؤں تیرے شیر ہاں کے مَیں قرباں جاؤں تیرے خاندان کے

میری جان تیری جوانی کا صدقہ
یہ ایمان تیری جوانی کا صدقہ

میری سن کہ میں تجھ سے کیا! کہہ رہا ہوں بھلا کہہ رہا ہوں کہ بُرا کہہ رہا ہوں
میں جو کہہ رہا ہوں رَوا کہہ رہا ہوں قسم ہے خدا کی بجا کہہ رہا ہوں !

تیری موج خونِ جگر موج میں ہے
سپاہی تو بھرتی ہوا موج میں ہے !

اگر جان دینی پڑے جان دینا
اگر آن دینی پڑے جان دینا
اگر شان دینی پڑے جان دینا
میری جان دینی پڑے جان دینا

کہ ان چند چیزوں کی قیمت ہی جان ہے
اسی قول کا معتقد اک جہان ہے

مگر یاد رکھنا حقیقت کی خاطر
صداقت پہ حق کی فضیلت کی خاطر
غریبوں کی خستہ طبیعت کی خاطر
مصیبت زدوں کی مصیبت کیخاطر

اگر مر گیا تو تیری زندگی ہے!
سپاہی کی سچی یہی زندگی ہے

رجوعِ سادگی

زلف بیچا کا جلی آنکھوں کا گھر کالج بنا
اے کوئین تجھ سے بخارِ موسمی فارغ دیا
کوٹ اور پتلون نکٹائی کا کرنا زیب تن
مدعائے تعلیم تیرا بن گیا ہے بانکپن!
خار سے گل چننے میں آیا نہ تم کو یہ خیال
گل کی ہستی چند روزہ خار کی چند سال
گل اگر توڑے کسی نے خار کا کچھ کے کا کیا؟
خار جب نوچے کسی نے شاخ کا سودا کیا

تابہ کے یہ دشمنِ ایمان کیف زِ ندگی !
تابہ کے یہ عشرکا ساماں کیف زِندگی
دُشمنِ ایمان و ہمدردی زمانہ کب تلک
کب تلک افسونِ باطِل کا فسانہ کب تلک
کب تلک مہر و محبت کی کمی اِنسان میں!
کب تلک یہ کُفر کی زنگینیاں اِیمان میں
مُفلسوں کی گود میں سہمے ہوئے ہیں اضطراب
کروٹیں لیتے ہیں کب سے اِنقلاب و انقلاب
آخرت قُدرت کی نظروں میں ہیں نظارے سبھی!
سادگئے حسن کے دِن رات ہیں پیارے سبھی
چند دن ٹھہرو کہ آجائے گا پھر دورِ خزاں !
شاخِ گل پر ڈھونڈنا اے بلبلو! گل کا نشاں

گردشِ ایّام سے ایسا زمانہ آئے گا!
ہر زباں پر مہر و اُلفت کا فسانہ آئے گا

عشق کی اِن صنعتوں میں سادگی آجائے گی
حُسن کی اس مُردنی میں زندگی آجائے گی

راہ پر آجائیں گے پھر سفر میں بھٹکے ہوئے
گامزن ہوجائیں گے سب دشت میں اٹکے ہوئے

اُے ہوش تو نے کہدیا بے خوف سب کچھ کہدیا
مختارِ جاں نے سن لیا مجبورِ دل نے سُن لیا

از ہوش

کالج لائف کا اثر - گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان - ۱۹۳۸-۳۹ء

طفلِ یتیم

(۱)

ایک دن وقتِ سحر جب سیر کو نکلا میں یار — بوئے گُل سے تھی معطر بادِ ایام بہار!

چلتے چلتے راہگذر سے آنکھ جب میری پڑی — ایک جانب میں نے پائی غمزدہ صورت کھڑی

دیکھتے ہی پاس جا کر میں پُوچھا پیار سے — اَجنبی اور آبدیدہ طفلکِ سرشار سے

حسرت و یاس و الم کی اے تو تصویر ہے — ہے سراپا مبتلائے رنج و غم دلگیر ہے

کم سنی میں تیرے نکھرے پر اُداسی کس لئے — عہدِ معصومی میں یہ فکریں گناہ کی کس لئے

حسن و اُلفت محبت کا فسانہ ہے تیرے کیا کا نہیں — اِضطرابِ عشق کی کیا دھڑکنیں ہیں جان میں

دے گیا دھوکا کیا صاحبِ حسن و جمال — اَب یہ کیا؟ دستِ تصور میں ہے دامانِ خیال

سچ بتا! تو کون ہے یہاں کس لئے آیا ہوا — رشکِ گل چہرہ تیرا لیکن ہے مرجھایا ہوا

پہلے کچھ آہستگی سے کیا؟ کہوں کہنے لگا
پھر بھری اک آہ سی اور مجھ سے یوں کہنے لگا

توڑ دی مہرِ لبِ خاموش تو نے توڑ دی
اک جنوں خیزی کی جانب پھر طبیعت موڑ دی

دیکھا جو منظر سناتا ہوں دکھا سکتا نہیں
نقشِ دل ایسا ہوا ہے کہ مٹا سکتا نہیں

دیکھئے وہ سامنے جس گھر کا دروازہ کھلا
وائے دروازہ نہیں پھر زخمِ دل تازہ کھلا

اس میں اک عورت ہے اور اسکے ہیں دو لختِ جگر
میں ادھر سے جا رہا تھا کہ پڑی میری نظر

اک ابھی نووارد ہستی تھا اِک ۲ دو ماہ کا!
جھکے تن پر تھا غبار اب تک عدم کے راہ کا

جس کو اس دنیا کی ہر اک شے نرالی تھی ابھی
جس کے کانوں میں جہاں کی لے نرالی تھی ابھی

دوسرا گھٹنوں کے بل چلتا کبھی پاؤں کے بل
بارہا گرتا بشوخی بارہا جاتا سنبھل

جب ذرا گرتا تو پھر اٹھتا بعد جوش و خروش
زخمی بھی ہوتا ہے یوں مردِ سپاہی سر فروش!

گر کبھی فرزند کو افسردہ جب پاتی ذرا
مادرِ غم خوار تب باتوں میں یوں لیتی لگا

میں تیرے قربان جاؤں اٹھ بھی میرے جواں
آگئی پاؤں تلے وہ دیکھ مورِ ناتواں

کر دیا ویران تو نے آرزو مورِ ضعیف
بے کسوں پر نازو دکھ سہتے زورِ شریف

اب بتا! کہ یہ بچاری رات کو کھائیگی کیا! — شام ہے جائے کہاں ڈھونڈے بھی تو پائیگی کیا!

اسکے بھی تیری طرح کے ننھے منے بال ہیں — بھوک سے رو دیں گے وہ تیری طرح چونچال ہیں

دے اُٹھ کے بھوکے بچوں کو کھلانے کیلئے — کر ذرا سے تیار یہ غم بھول جانے کے لئے

سامنے وہ دیکھ ہے غلہ دھرا جلدی سے جا — تا چلی جائے نہ گھر خالی ذرا جلدی سے جا

اسکے بدلے میں تجھے لاکھوں دعاؤں کا ثواب — اسکے بدلے میں تجھے چیزیں ملیں گی بے حساب

اسکے بدلے میں تجھے کاٹے گی نہ یہ بھول کر — تیری خوراکوں کو بھر جاپے گی نہ یہ بھول کر

تجھ کو اپنا ننھا منا مہرباں سمجھے گی یہ — سننے والا غم کی تجھ کو داستاں سمجھے گی یہ

(۴)

سن کے اماں کا حکم ننھا اٹھا تعمیل کو — دیر پڑ جاتی ہے اکثر شرف ہے تعجیل کو

پھر اُسی رفتار نو آموز سے جانے لگا — بہرِ تعمیل امر اندر سے کچھ لانے لگا

اب کے اسکے پاؤں میں کو اک طرفہ تر ٹھوکر لگی — منہ کے بل وہ گر پڑا اور آ گئی یکدم غشی

گرتے ہی نورِ نظر کے ماں کی دیکھی مامتا — دِل سمٹ کر رہ گیا اور ہو گئے اوسانِ خطا

گرتے ہی لختِ جگر کے ماں کی رعنائی گئی	پوشش غم دلہنِ محفل کو پہنائی گئی

جھٹ اٹھی اُسکو اٹھایا لیکن تھی گھبرائی ہوئی	گھری تدبیروں میں وہ پھرتی تھی سودائی ہوئی

جھٹ لگا سینے سے اُسکا چوما منہ بوسے لئے	پیر و پیغمبر کی مانیں منتیں وعدے دیئے

دیر تک وہ صحنِ گھر میں پھری دیوانہ وار	پھر اٹھا اک آب خورہ سیر مہ پھیرا بار بار

اور کہا مر جاؤں میں لیکن جھٹ سے تمک تو پیئے!

گھونٹ نہ معلوم پھر کتنے آب خورے سے پیئے

(۵)

اتنے میں معصوم بے خود ہوش میں آیا ذرا	درد سی محسوس کی اور چیخا چلایا ذرا

پھر ہوئی یوں زرد چہرے سے مسرت آشکار	یوں خزاں دیدہ چمن میں آئی ہو فصل بہار

پھر وہ جانِ ناتواں یوں لوریاں دینے لگی	اُسکے بہلانے کو شئے کی لوریاں دینے لگی

اور کہا چپ رہو ابھی ابا تیرے گھر آئیں گے	تیری خاطر پھل مٹھائی اور کھلونے لائینگے

تو انہیں کھائے گا اور مجھ کو کھلائے گا ضرور	چھوٹا منا بھی ہمارے پاس آئے گا ضرور

اُسکو بھی ہم تم کھلائیں گے محبت پیار سے
لو ابھی ابا میاں آئے تیرے بازار سے

چل پڑے ہیں چیزیں لیکر اور چلے آئے ہیں وہ
دائیں بائیں اور بھی کچھ دیکھتے جاتے ہیں وہ

جھوٹ میں اسکے سچائی کی ملاوٹ کیا عجیب
لگ گئی جسکو مٹھائی تکلاوٹ کیا؟ عجیب

درد سے بیچین تھا چپ ہوتے ہوتے ہو گیا
نیند غالب آگئی اور روتے روتے سو گیا

(۶)

بس یہی منظر تھا جسنے میرا دل مجھ سے لیا
محوِ حیرت کیا؟ ہوا تصویرِ حیرت کر دِیا

اِس سے میرے دِل کی دُنیا پر اُداسی چھا گئی
بھولی بسری یاد پھر سے دَرد بن کر آ گئی

آرہے ہیں میرے دِل میں اِس گھڑی رہ رہ کر خیال
میری ہستی ہے جہاں میں وارثِ رنج و مَلال

میرے بھی دم سے کسی کا دِل کبھی آباد تھا
میں بھی دُنیا میں کسی کی لاڈلی اولاد تھا

میری بھی غمخواریاں کرتی تھی میری ماں کبھی
مجھ پہ بھی قربان جاتی تھی کسی کی جاں کبھی

میں بھی دُنیا میں کسی کی آنکھ کا تارا رہا
مجھ کو بھی چاہا کسی نے میں بھی یوں پیارا رہا

اب مجھے کہتے ہیں سب اہلِ جہاں طفلِ یتیم
میری نسبت کسی سے باقی ہے بجز ربِّ کریم

ہو تشفی پہلو میں تیرے دِل ہے دِل دردآشنا
دَردمندوں کے لئے کرنا ہمیشہ یہ دعا

اس طرح یا رب یتیم و بے نوا کوئی نہ ہو
یعنی کم سن دہر میں بے آسرا کوئی نہ ہو

دُعا

اے خدائے پاک دو عالم میری سن لے دعا
تیرے ہی در کے سوالی ہیں سبھی شاہ و گدا

تیری ہی قدرت میں ہیں سمٹے ہوئے دو نو جہاں
تیرے ہی کرشمات ہیں خورشید و ماہ اور آسماں

تیری ہی درگاہِ عالی میں دعا کرتا ہوں میں
تیرے ہی در پر ہمیشہ سر جھکا کرتا ہوں میں

سب سروں پر دیر تک ماں باپ کا سایہ رہے
سب کسی کے پاس یا رب ہوش سرمایہ رہے

۱۵ر جون ۱۹۳۹ء - پل شوالہ نالہ ولی محمد خاں - ملتان شہر

قسمت

قسامِ ازل سے حصے میں جو آیا وہ قسمت ہے　　شرعِ اعمال کے بدلے میں جو پایا وہ قسمت ہے
زمیں سے آسماں تک ہوش ہے شیخ کا چکر　　بزرگوں نے تناسخ جسکو فرمایا وہ قسمت ہے

خوش قسمت کون

نہ دولت مند خوش قسمت نہ صحت مند خوش قسمت　　نہ آسائش سے نظاروں سے دل خورسند خوش قسمت
نہ انسان بیش و کم از دختر و فرزند خوش قسمت　　ہاں جزوی طور پر ہونگے کئی ہر چند خوش قسمت

فراغت میں رم صحت سے خوش قسمت نہیں ہوتا
امیری میں بہت دولت سے خوش قسمت نہیں ہوتا

یہ حرصِ مال و زر ہے تلخیٔ فکر و پریشانی　　انہیں حاصل نہیں ہوتا سکونِ دل باآسانی
بنا دیتی ہے بے صبری رگوں کے خون کا پانی　　یہ بن جاتے ہیں اسباب و وجوہ مرگِ انسانی

گناہوں سے بھرا دامن جھنجھوڑا بھی نہیں جاتا
یہ زنجیر معاصی ہے جو توڑا بھی نہیں جاتا

غم پرسشش کا دل پر جان پر احساس لازم ہے ۔ ہر اک ملت پہ ہر ایمان پر احساس لازم ہے

خدا کے خوف کا انسان پر احساس لازم ہے ۔ ولی اللہ کے ہر فرمان کا احساس لازم ہے

اسی احساس و غفلت کے نتائج کا حساب ہوگا

بجمع تفرقِ یا حاصل گناہ ہوگا ثواب ہوگا

کبھی تو بیٹھ کر قانونِ قدرت کا اشارہ لو ۔ سمجھ کر سوچ کر اخلاقِ انسان کا سہارا لو!

گزار اوقات کو حصے میں جو آیا گزارا لو ۔ خبر شامِ غریبوں کی خدارا لو خدارا لو

بشر کی ذات پر تعزیر کا اطلاق ہوتا ہے

اسی کے فیض سے قانون کا الحاق ہوتا ہے

اگر ترکِ طلب دل میں ہے اور ترکِ تمنا ہے ۔ برابر تیری نظروں میں اگر اپنا پرایا ہے

تجھے بھولی ہوئی دنیا ہے لیکن یاد اللہ ہے ۔ اگر خوف خدا یا ہے تو اس سے اور اچھا ہے

انہی اوصاف کا انسان خوش قسمت نظر آیا

سرورِ بادۂ عرفان خوش قسمت نظر آیا

از ہوش

اولاد

کس قدر دلکش بشر کی زندگی کا ساز ہے　　یہ قُدرت کو اسی صنعت پہ شائد ناز ہے
ہر کس و ناکس ہمہ تن گوش بر آواز ہے　　اِس فضا میں ہر تخیل مائل پرواز ہے

عرش پر حور و ملائک کا تکلم ہے یہی !
فرش پر نغماتِ دلکش کا ترنم ہے یہی

دولتِ دونوں جہاں میں دلنشیں دولت ہے یہ　　ثروتِ دونوں جہاں میں بہترین ثروت ہے یہ
رحمتوں میں رحمتِ افضل ترین رحمت ہے یہ　　برکتوں میں برکتِ صبر آفریں برکت ہے یہ

مفلس و منعم کی ہر شاہ و گدا کی آنکھ میں !
پیر و پیغمبر مسیحؑ و اولیاء کی آنکھ میں

گلشنِ ہستی کی ہر دلکش بہار اُولاد ہے　　جسم و جاں کا مرکزِ صبر و قرار اُولاد ہے
ہر کسی کی آنکھ کا دِل کا پیار اُولاد ہے　　زِندگی جو کچھ بھی ہے اِس کا شعار اولاد ہے

رونقِ بزمِ جہاں بے کیف ہے اِسکے بغیر
زِندگی اِنسان کی بس حیف ہے اسکے بغیر

اس کی خاطر ہر کوئیں میں جاں بھوتے ہیں لوگ   اسکی خاطر ہر کہیں دھن مال لٹواتے ہیں لوگ
اسکی خاطر جنگلوں میں تال بنواتے ہیں لوگ   اسکی خاطر گھنٹیاں گھڑیاں بجواتے ہیں لوگ

اسکو سب لختِ جگر نورِ نظر کہتے ہیں ہوش
اسکو سب دیدہ و دل شمس و قمر کہتے ہیں ہوش

اسکے دم سے آرزوں کا پسینہ ہے گلاب   اسکے دم سے گفتگوؤں کا قرینہ ہے گلاب
اسکے دم سے ماہ رُوں کا سینہ ہے گلاب   اسکے دم سے آبرُوں کا خزینہ ہے گلاب

اسکی ہر پیر و جواں ہر مرد و زن کو چاہ ہے
اسکی ہر شاہ و گدا ہر فرد و جن کو چاہ ہے

رونق دُنیا اسی سے رونقِ ایماں یہی   مستئے رنداں یہی سر مستئے عرفاں یہی
فیضِ عشقِ عاشقاں اور شوقِ خوباں یہی   شہرتِ اعلانِ شانِ قدرتِ یزداں یہی

ہاں مگر اس سے تسلی ایک ہونی چاہیئے
اے خدا اولاد سب کی نیک ہونی چاہیئے

شادی

شادی کا لفظ اس قدر لفظ سعید ہے
نازاں قدم قدم پہ یہ اک ہنگام عید ہے

نظارہ ہائے دل نشیں احساس دید ہے
انسان پہ یہ بھی رحمت ہٰلمن مزید ہے

نخلِ مراد ہے یہ گلِ آرزو ہے یہ!
بزمِ جہاں میں باعث صد آبرو ہے یہ

ایسا گناہ ہے جس کا نتیجہ ثواب ہے
ایسی سزا ہے جس کی جزا انتخاب ہے

ایسی خطا ہے جس کی محبت جواب ہے
ایسی ادا ہے جس کا ہمیشہ شباب ہے

یعنی بشر کی زندگی کا مدعا ہے یہ!
شغلِ حیات رانگہ مہیب پارسا ہے یہ!

کتنا ہی کوئی مفلس و ناکس غریب ہو
کتنا بھی کوئی شاہ و غنی خوش نصیب ہو

کتنا بھی کوئی عاقل و دانا طبیب ہو
کتنا بھی شیخ و زاہد و صوفی ادیب ہو

دنیا و دیں میں اسکے سوا روشنی نہیں
گویا لطیف اسکے سوا زندگی نہیں

وہ زندگی کہ جس کی فرشتوں کو چاہ ہے
وہ زندگی جو راہِ تقدس کی راہ ہے
وہ زندگی جو دین و دُنی کی گواہ ہے
وہ زندگی جو مطلعِ خورشید و ماہ ہے

لطفِ حیات اسکے سوا بے مزا سا ہے
ہستی کا سازِ اسکے سوا بے صدا سا ہے

شادی کوئی حباب من ایک کھیل بھی نہیں
یہ دو دلوں کا رابطہ بے میل بھی نہیں!
جلتا ہے یہ چراغ مگر تیل بھی نہیں!
بھرتی ہے یہ خراٹے مگر ریل بھی نہیں

ہر اک قدم پہ لغزش ہر گام پر عمود!
ہر دم پہ احتیاط ہے ہر سانس پر سجود

- جوانی -

یہی ایام ہیں جنکا جوانی نام ہوتا ہے
انہی ایام میں ہر دل میں اک ہنگام ہوتا ہے
انہی ایام میں شیخ و برہمن کی اجازت سے
عطا معصوم فطرت کو گناہ کا جام ہوتا ہے

از گلزار ہوش

غریبوں کی دُنیا

جہاں جیب ہر اک کی بھرپور ہوتی — جہاں زندگی سب کو منظور ہوتی
جہاں ہر اداحسب دستور ہوتی — جہاں رسمِ انصاف مشہور ہوتی

جہاں چشمِ بینا نہ بے نور ہوتی!
غریبوں کی دنیا کہیں دور ہوتی

ہیں زر کے حبیب اور طبیب ہر طرح سے — مرے جارہے ہیں غریب ہر طرح سے
ہیں مفلس کے آگے نصیب ہر طرح سے — ہیں مرنے کے بے کس قریب ہر طرح سے

جہاں کا ہے نقشہ مہیب ہر طرح سے
کبھی جان دیکھی نہ مسرور ہوتی

غلامی گئی تنگدستی نہ بدلی — وطن کی میرے فاقہ مستی نہ بدلی
بلندی پہ آکر بھی پستی نہ بدلی — امیروں کی وہ زر پرستی نہ بدلی

غریبوں کی کچھ حیف ہستی نہ بدلی
ابھی تک نہیں قدر مزدور ہوتی

یہ مہنگائی اتنی کہ تنگ آ گئے ہیں غمِ دال روٹی سے گھبرا گئے ہیں
کمر نوجوانوں کے خم کھا گئے ہیں دماغوں میں امراض گھر پا گئے ہیں
نظر ہے کہ سو سو نقص آ گئے ہیں
جوانی ہے پیری سے معمور ہوتی

جہاں ہو گئی موت جینے سے بہتر یہاں تشنہ کافی ہے پینے سے بہتر
نہیں دوستی یہاں کی کینے سے بہتر یہاں پیٹھ لگتی ہے سینے سے بہتر
یہ دنیا کمینی کمینے سے بہتر
سیاہی نہیں دل سے کافور ہوتی

یہاں بات بنتی ہے گردن جھکائے یہاں بھیک ملتی ہے دامن بڑھائے
یہاں شان ملتی ہے ذلت اٹھائے یہاں آن بچتی ہے عصمت لٹائے
یہاں قدر بڑھتی ہے قیمت گھٹائے
یہاں چشم بینا ہے بے نور ہوتی

یہاں کوئی کہتا ہے ہمت میری ہے
یہاں کوئی کہتا ہے قسمت میری ہے
یہاں کوئی کہتا ہے دولت میری ہے
یہاں کوئی کہتا ہے طاقت میری ہے

یہاں شیخ کہتا ہے جنت میری ہے
یہاں ہے جواں خواہشِ حور ہوتی

جہاں بھوک لگتی تو سب بھوکے ہوتے
جہاں پیٹ بھرتا تو سب بھر کے سوتے
جہاں چشمِ تر پر سبھی مل کے روتے!
یہاں درد ہوتی تو سب جان کھوتے

یہاں پریت ہوتی یہاں پریم ہوتے
یہاں زندگی سب کو منظور ہوتی

چلے نہ جہاں کام مکر و ریا سے
جہاں دل ہوں معمور صدق و صفا سے
جہاں پر حقیقت زباں ہو دعا سے
یہاں واسطہ ہو خدا ہی خدا سے

یہاں ہو خوشامد کسی بلا سے
یہاں چاپلوسی نہ منظور ہوتی

یہاں کوئی ہرگز نہ محتاج ہوتا — جہاں دل غموں سے نہ تاراج ہوتا

یہاں بے تکلف ہر اک کاج ہوتا — یہاں کام کل کی بجا آج ہوتا

جہاں شانتی کا رگھو راج ہوتا

جہاں جیب ہر اک بھرپور ہوتی

یہاں امتیازِ عنایت نہ ہوتی — یہاں اک سے اک کی شکایت نہ ہوتی

یہاں حسبِ نسبت رعایت نہ ہوتی — یہاں حامیوں کی حمایت نہ ہوتی

یہاں پاسداری نہایت نہ ہوتی

یہ دنیا الٰہی کی مشکور ہوتی

یہاں حسنِ فطرت میں صنعت نہ ہوتی — یہاں خود نمائی کی لعنت نہ ہوتی

یہاں ہوش آپس میں نفرت نہ ہوتی — یہاں جینے مرنے کی حسرت نہ ہوتی

یہاں غم سے برہم طبیعت نہ ہوتی

یہاں ہر ادا حسبِ دستور ہوتی

اسکول عدلی والا امرتسر سنہ ۱۹۵۶ء

سیاست کا تعارف اور تشریح

دھرم سے ہرگز سیاست کا ملاپ اچھا نہیں
یہ خودی وہ بیخودی دونوں کا جاپ اچھا نہیں
خواہ مخواہ کرتا ہے جو انسان پاپ اچھا نہیں
حق میں باطل کا دخل سوچیں تو آپ اچھا نہیں
دامن جمہور پر اے ہوش چھاپ اچھا نہیں!
بے ضبط بے ربط ہیں ان کا ملاپ اچھا نہیں

تشریح

کس کو کہتے ہیں سیاست اور کہاں ہوتی ہے آج
کس کی محرم اور کس کی رازداں ہوتی ہے آج
کس کی واقف اور کس پر مہرباں ہوتی ہے آج
کس پہ خوش رہتی ہے کس کی قدرداں ہوتی ہے آج
کس سے پوچھیں کون جانے کہ کہاں ہوتی ہے آج

ہوش نے سنتے ہی یہ یاروں سے اپنے کہدیا — دوستوں سے اور غمخواروں سے اپنے کہدیا
آشناؤں ہمدموں پیاروں سے اپنے کہدیا — ہم وطن ہم قوم سے ساروں سے اپنے کہدیا

لو سنو! جو ہے سیاست اور جہاں ہوتی ہے آج

یہ شہنشاہوں کے راجوں کیلئے پیدا ہوئی — یہ حصول تخت و تاجوں کے لئے پیدا ہوئی
یہ حسین نازک مزاجوں کے لئے پیدا ہوئی — یہ ادا منعم سماجوں کے لئے پیدا ہوئی

اسکے دم سے رونق بزم جہاں ہوتی ہے آج

یہ جہنم بھی ہے دوزخ بھی ہے اور جنت بھی ہے — یہ ہے پیچ و تاب عظمت اور کیس عظمت بھی ہے
یہ صداقت کے عمل سے عقل بھی حکمت بھی ہے — یہ اگر سمجھے کوئی تو قوم کی خدمت بھی ہے

یہ نفوذِ خود پرستی کا نشان ہوتی ہے آج

دولتِ ایمان کی اس میں کمی پائی گئی — اس کے دل پر غرض کی سیاہی بھی پائی گئی
اسکے گھر پر خوشی میں بھی غمی پائی گئی — آنکھ میں اسکے ہمیشہ ہی نمی پائی گئی

خلوت و جلوت میں تو حسن بیان ہوتی ہے آج

اسکے خوش انداز سے بھارت کو آزادی ملی
قوم کی اُجڑی ہوئی دنیا کو آبادی ملی

دلیش کو بسری ہوئی وہ شانِ استادی ملی
اِس غلام آباد گھر سے غم گیا شادی ملی

جس پہ نازاں مادرِ ہندوستان ہوتی ہے آج

لیڈروں کے سر پہ اسکی ہے سواری رات دن
لیڈروں کے دل میں اسکی ہے بے قراری رات دن

لب پہ سرخی اسکی آنکھوں میں خماری رات دن
اس پہ شیدا ہو گئی دنیا ہی ساری رات دن

جس سے ظاہر تلخئ امن و امان ہوتی ہے آج

محفلوں میں مجلسوں میں سب اداروں میں ہے جوش
صوفیوں رندوں شیخوں بادہ خواروں میں ہے جوش

دفتروں میں افسروں میں اہل کاروں میں ہے ہوش
مندروں میں مسجدوں میں گردواروں میں ہے ہوش

جنم لیتی ہے سیاست اور جواں ہوتی ہے آج

آتشِ حرص و ہوا کی ایک چنگاری ہے یہ
جو علاجوں سے بھی بڑھتی جائے بیماری ہے یہ

یہ جہادی شور و شر ہے اصل مکاری ہے یہ
اپنی خاطر سب سے دھوکا باز ہوشیاری ہے یہ

اس کا ہر قہر و غضب ظلم و ستم ایمان ہے
اسکا حامی جو بھی ہے وہ ظاہری انسان ہے

اہلِ ایمان لوگ اس میں کامیاب ہوتے نہیں — نیک دل انسان اس میں انتخاب ہوتے نہیں

حق کے بندے مبتلائے اضطراب ہوتے نہیں — اور زمانے کی خرابی سے خراب ہوتے نہیں

اہلِ ایمان آدمی کے پاس یہ آتی نہیں

نیک دل بندوں کو شہرت راس یہ آتی نہیں

مہیشہ داس

سائنس کی ترقی

سائنس کی ترقی کے صدقے راکٹ کا بنانا سیکھ لیا — چاند کی دنیا تک بے کھٹکا انسان نے جانا سیکھ لیا

پر مالک بل کی شکتی سے دشمن کو ڈرانا سیکھ لیا — معصوم خدا کی خلقت کو دن رات ڈرانا سیکھ لیا

انداز ادائے مہر و وفا ہم بھول گئے ہم بھول گئے — ہر بات میں دخلِ مکر و ریا کا رنگ جمانا سیکھ لیا

ہم حرص و ہوا کی قیدوں میں آزادیاں دل کی بھول گئے — جذبات کے گوہر چمکیلے مٹی میں رلانا سیکھ لیا

ایثار کے بدلے خود غرضی کے دیپ جلائے ہیں ہم نے — گنگا جل پینے کے بدلے گنگا میں نہانا سیکھ لیا

مرغانِ ریاضِ شعر و سخن پروازِ تخیل بھول گئے — اب اہلِ ادب نے محفلوں میں ہے ناچنا گانا سیکھ لیا

اے ہوش کوئی ہم سے پوچھے انجام ہے اس کا کیا! آخر

چربی سے غریبوں کی جس نے ہے دیپ جلانا سیکھ لیا

ذکرِ سماج

حرص و ہوا ہیں کی قید میں انسان کو دیکھکر | راحت کی آرزو میں پریشاں کو دیکھ کر

انسانیت سے دست و گریباں کو دیکھکر | کچھ واقعات دہر کے عنواں کو دیکھ کر

نوکِ قلم زباں بنی صرفِ بیاں ہوئی

خاموشیوں کی گود میں پل کر جواں ہوئی

آئی صدائے غیب سے تحریر یہ بول اُٹھی | خاموشیوں کی صورتِ تصویر بول اٹھی

احساسِ دل کی شدتِ تغییر بول اٹھی | خوابِ گرانِ دہر کی تعبیر بول اٹھی

سوئی ہوئی وطن کی جگاؤ سماج کو

پاکیزہ زندگی سے بناؤ سماج کو

انسانیت کے قتل کی قاتل سماج ہے | اپنے فرض سے آج کی غافل سماج ہے

ہر ارتکابِ جرم میں شامل سماج ہے | ہر اک سزائے جرم کے قابل سماج ہے

لیکن سماج بھی تو ہمارا ضمیر ہے

جس مول بھی بکا یہ ہمارا ضمیر ہے

راہبر ہماری قوم کے راہ زن بنے رہے
غم خوار لوگ جان کے دشمن بنے رہے
ڈاکو وحشی غریب کے ساجن بنے رہے
غاصب دھرم کے شیخ و برہمن بنے رہے

بڑھتی گئی برائی وطن کے سماج میں!
ہوتا گیا اضافہ جہیزوں میں داج میں

لیکن غلط سماج کے بانی ہیں تو ہیں
سب لعنتوں کے دان کے دانی ہیں تو ہیں
ہر اک نشان وہی کی نشانی ہیں تو ہیں
عنوانِ بےکسی کی کہانی ہیں تو ہیں!

ہم نے ہی اس طرح کی بنایا سماج کو
ہم نے ہی ہر طرح کی نبھایا سماج کو!

ہم نے ہی دو قسم کے نظارو نکو تاب دی
ہم نے ہی انگلیوں سے اشارو نکو تاب دی
ہم نے خزاں بھاری بہاروں کو تاب دی
طوفانوں کشتیوں کو کناروں کو تاب دی

ہر اک برے سماج کے ضامن ہیں تو ہیں
ہر اک برے رواج کے ضامن ہیں تو ہیں

باہر کی کچھ سماج ہے گھر کی سماج کچھ   باہر کا کچھ رواج تو گھر کا رواج کچھ
کل کو کریں گے اور کچھ کرتے ہیں آج کچھ   بیماری کچھ ہے اور کیا ہے علاج کچھ

نورِ عمل کی روشنی پھیلاؤ دیش میں!
دراصل جو سماج ہے وہ لاؤ دیش میں

نورِ علم کے فیض وکرم پر نظر کرو   رفتارِ زندگی کے بھرم پر نظر کرو
درپیش یادِ سرد و گرم پر نظر کرو   عاداتِ اُنس سخت و نرم پر نظر کرو

انسانیت کے فرض کا احساس کیجیئے
قوم و وطن کے فرض کا احساس کیجیئے!

خُدام قوم و وطن کی خدمات چاہیئے
ہر کہ و مہ میں رنگِ مساوات چاہیئے

فصلِ بہار

جب بھی فصلِ بہار ہوتی ہے
بوئے گل مشکبار ہوتی ہے

ننھے پھولوں کا منہ دھلانے کو
جنتوں سے پھوار ہوتی ہے

چہچہانے کو گیت گانے کو
بلبلوں کی قطار ہوتی ہے

جب بھی فصلِ بہار ہوتی ہے

میکدوں میں بھی بھیڑ ہوتی ہے
بتکدوں میں بھی بھیڑ ہوتی ہے

میگساروں کی بادہ خواروں کی
ناصبوروں کی بے قراروں کی

سب کو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں
جان وقفِ پیار ہوتی ہے

جب بھی فصلِ بہار ہوتی ہے

رندو زاہد کو ہوش آتا ہے
باتوں باتوں میں جوش آتا ہے

ذکرِ توبہ شراب کی باتیں
فکرِ عصیاں ثواب کی باتیں

میل ہونے پر چھیڑ ہوتی ہے
بحث حسبِ اشعار ہوتی ہے

جب بھی فصلِ بہار ہوتی ہے

مہ وشوں کو غرور ہوتا ہے غم زمانے کا دور ہوتا ہے
اپنے جوبن پہ ناز کرتے ہیں ہوسِ عمرِ دراز کرتے ہیں
ہوش شاید وہ بھول جاتے ہیں زندگی مستعار ہوتی ہے

جب بھی فصلِ بہار ہوتی ہے

نو عروسوں کو رشک آتے ہیں بوڑھی آنکھوں میں اشک آتے ہیں
دل بہاروں کو یاد کرتا ہے سب بہار دن کو یاد کرتا ہے
عہدِ رفتہ کے خواب آتے ہیں آرزو بے قرار ہوتی ہے

جب بھی فصلِ بہار ہوتی ہے

حسنِ فانی کی آرزوؤں پر جھوٹی راحت کی جستجوؤں پر
بعض لوگوں کو رشک آتے ہیں میری آنکھوں میں اشک آتے ہیں
طبعِ رنگیں پہ بوجھ پڑتا ہے زندگی ناگوار ہوتی ہے

رونے دھونے سے کام رہتا ہے — خالی ہاتھوں میں جام رہتا ہے
تشنہ کامی کے راگ ہیں میرے — نغمے شعلوں کی آگ ہیں میرے
میرے ہر سانس کی دبی آہٹ — سوزِ غم کی ستار ہوتی ہے

جب بھی فصلِ بہار ہوتی ہے

میری خاطر بہار نہ آئے — جس سے دل کو قرار نہ آئے
میری دُنیا عزیب کی دُنیا! — میں ہوں پھوٹے نصیب کی دُنیا
جب بھی دیکھو جس حال میں دیکھو — میرے لب پر پکار ہوتی ہے

جب بھی فصلِ بہار ہوتی ہے

تم بھی سن لو اُنہیں سنا دوں گا — تم بھی سمجھو اُنہیں بتا دوں گا
میری باتیں ہیں راز کی باتیں — یعنی عرضِ و نیاز کی باتیں
باتوں باتوں سے کام نکلے گا — چپ بھی محفل پار ہوتی ہے

جب بھی فصلِ بہار ہوتی ہے

حد سے گزری ہے نخوتِ انساں — حق کے بندوں میں فطرتِ حیواں
کشمکش میں ہے نسلِ انسانی — بھولی بھٹکی ہے عقلِ انسانی
ہر کوئی ہے خودی کا شیدائی — قہرِ قدرت شمار ہوتی ہے

جب بھی فصلِ بہار ہوتی ہے

خود نمائی ہے خود پرستی ہے — آشنائی میں چہرہ دستی ہے
ہر کوئی ہے فریب کا عادی — خوب انساں نے پائی آزادی
مذہب و ملت کے نام پر اکثر — زورِ دنیا شکار ہوتی ہے

جب بھی فصلِ بہار ہوتی ہے

اب زمانہ بدلنے والا ہے — سب فسانہ بدلنے والا ہے
سب دلوں میں ہیں اضطراب آئے — چند سے ممکن کہ انقلاب آئے
صاف کہنے میں ہوش کیا؟ ڈرئے — جھوٹ کہنے میں عار ہوتی ہے

جب بھی فصلِ بہار ہوتی ہے

شاعرِ فطرت

تخیل میں بسا لیتا ہو جو دونوں جہاں اپنے
فرشتوں کو بشر کو مانتا ہے رازداں اپنے

جسے بادِ بہاری آ کے ایک پیغام دیتا ہے
جسے بادِ صبا بھر بھر نشے کے جام دیتی ہے

جسے چھا کر گھٹائیں کیف کی دنیا میں لے جائیں
جسے آ کر ہوائیں مثلِ گل کچھ چھیڑتی جائیں

جسے قدرت کی شاگردی کا حاصل شرف ہو جائے
زباں جسکی پہ موزوں آتے آتے حرف ہو جائے

جسے ہر رنگ میں بسنا بسانا ہو بہو آئے
جسے مخلوق کی ساری سنانی گفتگو آئے

جسے اندازِ حسن و عشق کی سب واقفیت ہو
جسے سر رازِ حسن و عشق کی سب واقفیت ہو

ہو جسکی جیب سینہ میں نہاں اک درد کی دنیا
سرِ محفل ہو جس کا ہر بیاں اک درد کی دنیا

جسے تصویر کا پہلو بدلنا خوب آتا ہو
جسے ہر اک حسین شئے پر مچلنا خوب آتا ہو

کسی کے آنکھ کے اشکوں کو جو الماس کہتا ہو
وہ جو کہتا ہو لیکن باطبعِ احساس کہتا ہو

جہاں کی دلربا رنگینیوں سے کام ہے جس کا
وہی ہے صنفِ آدم ہوش شاعر نام ہے جسکا

اشک و آنسو

اشکِ غم اشکِ مسرت عرقِ خونِ نابِ دل
آتشِ سوزِ محبت برقِ پیچ و تابِ دل

کثرتِ احساسِ غم عرقِ خیال و خوابِ دل
کیفِ انجامِ تعلق ورقِ کتب و بابِ دل

یہ برس پڑتے ہیں ابرِ چشمِ ہر جاندار سے
شدتِ احساسِ غم سے یا خوشی سے پیار سے

نام انکا اشک و آنسو گوہر و موتی بھی ہیں!
یہ ضیا یہ نور بھی ہیں روشنی جوتی بھی ہیں

یہ جلا بہ زنگ و ظلمت تیرگی ہوتی بھی ہیں
یہ ذرائع زیمۂ گلگہ کے ڈھونڈتی کھوتی بھی ہیں
زندگی

خامشی میں ڈوب کر نکلی ہوئی آہ و فغاں
کچھ وفورِ ضبطِ غم کچھ کاوشِ خلشِ نہاں

یہ حسینوں کے جو رخساروں پہ ٹپک جائیں گلاب
یہ جوانوں کے جو کرداروں پہ چھلک جائیں شباب

یہ غم و غصہ کا باعث عشق و الفت کا جواب
یہ وفورِ جبر و سختی کا عبورِ پیچ و تاب

خون کی بدلی ہوئی رنگت کی یہ برسات ہیں
گریۂ حالات سے نکلے ہوئے جذبات ہیں

نچو کنا جن کا ہے ناممکن یہ ایسے تیر ہیں — باندھ لیں کس کر جو شاہزادوں کو یہ زنجیر ہیں
صفدر و خنجر ہیں، اور برچھا و شمشیر ہیں — مرشدوں پیروں پہ چل جائیں یہ ایسے تیر ہیں

عورتوں کے ہاتھ میں یہ آخری ہتھیار ہیں
سامنے ان کے تو سب ہتھیار بے کار ہیں

اس لئے غمگین کسی کو تم کبھی ہونے نہ دو — دولت صبر و سکوں ہرگز کہیں کھونے نہ دو
اشکوں کے قطرے زمیں ہند میں بونے نہ دو — ہوش گم انسان کو ہر حال میں ہونے نہ دو

شدت احساس غم ہنسی خوشی میں ٹال دو
ہر کسی پژمردہ دل کو زندگی میں ڈھال دو

حسب حال واقعات زندگی ہوتے ہیں یہ — آدمی کی حد سے باہر بے بسی ہوتے ہیں یہ
ضبط غم اظہار غم کی آگہی ہوتے ہیں یہ — ترجمان دیدۂ و دل لازمی ہوتے ہیں یہ

اشک غم جو غم کے موقعوں کی شہادت دیں ہمیں
اور خوشی کے آنسو جو مخلوط راغبت دیں ہمیں

مدارِ شاعری

شدتِ احساسِ غم پر ہے مدارِ شاعری
طبع موزوں و موثر انحصارِ شاعری

یہ امیدوں آرزوں کا دھواں ہرگز نہیں
گردشِ ایامِ غم ہے سازگارِ شاعری

شاعری تلقینِ غم کا ایک مسلسل اضطراب
نشۂ احساسِ غم از بس خمارِ شاعری

شاعری ہے شکوۂ ایامِ غم کی داستاں
اوج پرواز تخیل اشتہارِ شاعری

شاعری ہے سرزمینِ گلشنِ سوز و گداز
بندشِ الفاظ برجستہ بہارِ شاعری

ہوشؔ بیکاری میں بھی دم بھر یہاں فرصت نہ ہو
جس سے کچھ حاصل نہ ہو وہ کاروبارِ شاعری

حصولِ شاعری

ہم نے غربت کو وطن سمجھا وطن کو بھول کر
وادیٔ پر خار میں آئے چمن کو چھوڑ کر

شاعری میں ماسوائے رنج و غم حاصل ہے کیا
اختیار ہم نے کیا فن سخن کو چھوڑ کر

سنہ ۱۹۶۲ء ہرشہ چھینہ پنجابی کوچنگ سینٹر امرتسر - از ہوشؔ

دیوتا انسان

جس پر خدا فضل کرے جاہ و جلال دے
جس پر خدا کرم کرے خوبی کمال دے

جس کو دل و دماغ خدا بے مثال دے
جو دل سے نخوتوں کو سراسر نکال دے

خود داریوں سے کام رہے عمر بھر جسے
غم خواریوں سے کام رہے عمر بھر جسے

جس کو ملی ہو پرورش دنیا میں نور کی
جس کے ہو دل میں روشنی دامان کی

سائے نے جسکے ظلمتِ عصیاں ہو دور کی
پائے میں جسکے شان ہو ربِّ غفور کی

جس کا قدم قدم بنے منزل نجات کی
جس کی ہو دست پیروی محفلِ حیات کی

جسکی نصیحتوں کی ضرورت ضرور ہو
جس کی ہدایتوں سے ہر منزل نہ دور ہو

جس میں کبھی نہ طیش و تکبر غرور ہو
جسکو بس ایک بیخودی کا سرور ہو

جو بھی بشر کا دردِ دل سنتا بھی دیکھتا بھی ہے
میری نظر میں ہوش وہ انسان بھی دیوتا بھی ہے

سنہ ۱۹۴۳ء امرتسر۔

میلہ رام تیرتھ

شردھا سے اس زمیں کو میرا نمسکار ہے

مانا کہ ہوش آیا یہاں پہلی بار ہے
اس پاک سرزمیں سے محبت ہے پیار ہے
دُنیا کے تیرتھوں سے یہ تیرتھ ہزار ہے
سرمایہ سکونِ دلِ بے قرار ہے

شردھا سے اِس زمیں کو میرا نمسکار ہے

اِس سرزمیں پہ بیٹھ مُنی بالمیک نے
مرا درمرا کی سکھشا سُنی بالمیک نے
مَن میں لگائی رام دُھنی بالمیک نے
پھولوں بھری بسنت چُنی بالمیک نے

رشیوں میں جن کا بڑا اِفتخار ہے۔ آج

اِس خاک پر ہی سیتا کو آ کر اَماں ملی !
دِن کاٹنے کو بن میں اک رہ رواں ملی
خاموش حال کہنے کو مُنہ کو زباں ملی
اِس خاک پر ہی بوٹیئے دَردِ نہاں ملی

اِس بن کا ذرہ ذرہ بڑا ملنسار ہے

اِس سرزمیں پہ لو نے کُشو نے جنم لیا — اِس بن میں کھیل کُود کر جیون سپھل کیا
پھل پھول اِسکے کھائے اور اسی کا ہی جل پیا — بن دیوی سیتا ماتا کو اسنے ہی دھن دیا

بھارت میں اِس ستھان کی لیلا آپار ہے

اِس بن میں گھوڑے روک لئے کُشو نے رام کے — سنسار کے پِتا کے اور بیکنٹھ دھام کے
یُدھ میں نشٹے ہرن کئے سیتا تمام کے — اِس بن میں چرچے گونج اُٹھے بچونکے نام کے

کچھ ہے اگر تو اِس جگہ رگھبر کی یاد رہے

اِس پر ہی رام سیتا پھر بچھڑے ہوئے ملے — ساتھی کئی برس کے یہاں نکھرے ہوئے ملے
موتی سورگ لوک کے بکھرے ہوئے ملے — زور و کے تین تینوں سنے نکھرے ہوئے ملے

سب جانتے ہیں بات یہ آئینہ دار ہے

اِسکے اثر سے جان ہے پنجاب دیش کی — اِسکے اثر سے کان ہے پنجاب دیش کی
اِسکے اثر سے آن ہے پنجاب دیش کی — اِسکے اثر سے شان ہے پنجاب دیش کی

جو بات اِس جگہ کی ہے جیون اُسار ہے
شردھا سے اس زمین کو میرا نمسکار ہے

اس خاک پر ہی قوم و وطن کے جلے چراغ
اس خاک پر ہی حب وطن کے ڈھلے ایاغ

اس خاک پر ہی درد وطن کے پلے داغ
اس خاک سے چمن کو ہیں حاصل ہوئے فراغ

یہ وہ چمن ہے جسکی خزاں بھی بہار ہے
شردھا سے اس زمین کو میرا نمسکار ہے

اس نے وطن میں ایکتا کی روح پھونکدی
نا آشنا میں آشنا کی روح پھونک دی

دنیا اور دین میں دلربا کی روح پھونکدی
ہر مرد و زن میں دیوتا کی روح پھونکدی

اتحاد پہ وطن کے ہر ملت نثار ہے
شردھا سے اس زمین کو میرا نمسکار ہے

دل چاہتا ہے رات دن اسپر گزار دوں
اس پر کسی کی یاد میں سب کچھ وسار دوں

اسکی بھبھوتی تن سے میں من میں اتار دوں
جیون کا بوجھ بڑھ کر اس پر اتار دوں

مانو نہ مانو ہوش کا ایسا وچار ہے
جانو نہ جانو ہوش کو اتنا پیار ہے

از ہوش — رام تیرتھ میلا سنہ ۱۹۶۲ء

دان اور مہربانی

کسی کو جو تم مال و زر دو تو سمجھو
کسی کو جو اسباب و گھر دو تو سمجھو
کسی پر نوازش جو کر دو تو سمجھو
کسی کی جو جھولی بھی بھر دو تو سمجھو

نہیں کچھ دیا تم نے اِنسان ہو کر
ہوا کچھ نہ تم سے مہربان ہو کر

جو دانا نہیں اس کو علم و ادب دو
کمانے کا دولت سلیقہ و ڈھب دو
جو بے کار ہو اُس کو ہنر و کسب دو
بسر جس پہ ہو وہ وجوہ اور سبب دو

بڑے سے بڑا دان دانی کا یہ ہے
طریقہ بڑی مہربانی کا یہ ہے

فریضہ

ہر اک مذہب و ملّت کا اِرشاد یہ ہے
ہر اک دین و ایمان کی بُنیاد یہ ہے

از ہوش

حضور و جناب بنو

ہلال و عید بنو قمر و ماہتاب بنو — جنوب و شرق بنو مہر و آفتاب بنو

خدا کے فضل سے عالم کے انتخاب بنو — حضور دلنواز بنو حضرت و جناب بنو

جو چاہو خوب بنو اور بے حساب بنو — کسی غریب کے دل کا بھی اضطراب بنو

بنے پھر و نہ زمانے میں تم ادیب اے ہوش

کسی کی درد میں دھڑکن میں پیچ و تاب بنو

نظر فریب نظاروں کو آب و تاب نہ دو — دل و دماغ سے خارج کوئی جواب نہ دو

امیر لوٹ لیں دنیا کی راحتوں کے مزے — غریب عیش جو چاہے کم شباب نہ دو

اثر نواز تکلم ملا ہے شعراء کو — وقت کی مرگ کی میت اسے خطاب نہ دو

اٹھو! اٹھو کہ اٹھائیں غریب کو اونچا!

وطن کی روحِ مقدس کو تم عذاب نہ دو

از ہوش

رُوحِ مقدس

عالم بیدارگی کی فکر سے فرصت ملی !
گلشنِ خوابیدگی کی سیر کی رخصت ملی

بھارت ماتا سچّا خواب

ایکدن چھپتے ہی تھک کر میں نے بستر لے لیا
لیٹتے ہی نیند کی دولت سے دامن بھر لیا

آنکھ لگتے ہی میرے پیش نظر اک خواب تھا
قالب نوری میں مضطر اک دل بیتاب تھا

اک حسینہ سرنگوں بیٹھی تھی اک سائے تلے
ماہ جبینہ سرنگوں بیٹھی تھی اِک سائے تلے

سسکیاں لیتی تھی پھر اسکی زبان خاموش تھی
دراصل وہ ہوش میں آئی ہوئی بے ہوش تھی

کون ہے کیونکر ہے کیوں آئی یہاں گھر بار سے
پوچھنے پر سر ہلا دیتی رہی اِنکار سے

اِس کی خاموشی تھی اِک اظہارِ غم کا سلسلہ
اِس کا ہر انکار تھا اِقرارِ غم کا سِلسلہ !

اِک محیطِ رنج و غم نورانی پیشانی پر تھا
غم ہی غم گویا مسلط اس کی حیرانی پر تھا

بکھری زلفیں اُسکے شانوں پر لپٹیں گرد سے
اور لبوں پر پپڑیاں مثبت تھیں آہِ سرد سے

گالوں پر اشکوں کے قطرے تھے ابھی ٹھہرے ہوئے
داستانِ غم تھی چہرہ کان تھے بہرے ہوئے

بازوئے نازک تھے گھٹنوں پر نزاکت کھو چکے
گردنِ دلدادۂ غم سے حمائل ہو چکے!

چو کڑی گھٹنوں کی وہ بن پاسیو نیچے کوٹے ہیں
جیسے اک بدلی کی پرچھائیں ہو ٹھہری دھوپ میں

ایسا منظر دیکھ کر پائے نظر ٹھہرے رہے
اور میرے گہرے خیالوں کے قدم گہرے رہے

آخر اس دیوی نے کچھ گردن ہلائی دیر سے
داستانِ غم سنانی تھی سنائی دیر سے

اک حصارِ ناز تھا معمورۂ عصمت تھی وہ
وہ خدا کی شان تھی مستورۂ رحمت تھی وہ

آخر وہ مہرِ سکوتِ غم خدا نے توڑ دی
یا تقاضائے دلِ دردآشنا نے توڑ دی

آہ آتشِ بار کے شعلے ذرا مدھم ہوئے
کان میرے اسکے دل کے راز سے محرم ہوئے

نور کی پتلی سنبھل کر مجھ سے یوں کہنے لگی
شرمگیں انداز سے حالِ زبوں کہنے لگی!

مجھ سے بن پوچھے کہا تم شاعرِ گمنام ہو!
صاف کہدینے کی تم کو جرأت ہو اَور بدنام ہو

اَیسی باتوں کا محبِ قوم کو غم کس لئے
تم کو قدرت نے بنایا ابنِ آدم کیسلئے

تم صداقت میں پھلے پھولے صداقت سے رہو
اَور میرا پیغام یہ سب اہلِ بھارت سے کہو

مادرِ ہندوستان غمخوار ہے ہر ایک کی
چاہتی ہے اُنتی ہر ایک مردِ نیک کی

دیش میں غدار انسانوں کا بڑھنا روکدو
اَور خودغرضی کا سب کو سبق پڑھنا روکدو

یہ وطن اپنا ہے اَور اہلِ وطن اپنے ہیں سب
یہ چمن اپنا ہے اَور سرو سخن اپنے ہیں سب

بے سبب بے میل تبریست کبھی اچھی نہیں
بے وجہ اَخلاق شیریں کی کمی اچھی نہیں

حد سے گزری جارہی ہے ہر اک رعایت روکدو
اس عداوت کی جنم داتا محبت روکدو

فرقہ داری بڑھ رہی ہے کچھ اصولوں کے سبب
بے قراری بڑھ گئی دو چار بھولوں کے سبب

اَب وطن آزاد ہے آزاد دل پیدا کرو
خواہ مخواہ وہم و گماں جانے بھی دو اچھا کرو

قوم کے اچھے خمیروں کو بڑا داد بجیے
دیش سے اچھے ضمیروں کا بلاوا کیجیے

کاغذی ہر کاروائی کی ضرورت کم کرو
رشوتوں سے جو بھی ہوتے ہیں مہورت کم کرو

تا کجا کرتے رہو گے تم ملیشوں کی نقل !
تا کجا چالو رہے مغرب کے دیشوں کی نقل

جانتے ہو یہ وطن گہوارۂ تہذیب ہے
یہ ازل سے تا ابد نظارۂ تہذیب ہے

یہ شہیدان وطن کے خون کا گلزار ہے
ساٹھ سالا جنگ کے مضمون کا گلزار ہے

یہ محبانِ وطن کے امتحان لیتا رہا
آہنی زنجیر وہ ہیں یہ جسم و جان دیتا رہا

خدمتِ قوم و وطن بے مدعا کرتے رہو
وہ وفا کرتے رہے تھے تم وفا کرتے رہو

وطن نو آزاد کا ہے مشکلوں سے سامنا
باندھ لو کس کر کمر ہے منزلوں کا سامنا

دور ناداری کرو اور مفلسی رہنے نہ دو
ہے غریبی حرف بے مطلب اسے کہنے نہ دو

بس یہی پیغام جا کر قوم کو دینا میرا — اور اگر پوچھے تو بھارت نام دینا میرا

بس یہی اے ہوش ہے پیغام جانِ مبتلا — مادرِ ہندوستاں ہے نام جانِ مبتلا

کہہ کے اتنا وہ پری وش جھٹ سے غائب ہو گئی — غیر معمولی سی اک آہٹ سے غائب ہو گئی

رہ گیا دستِ تصور میں میرے اُسکا خیال — لائقِ آداب و عظمت جسکا تھا جاہ و جلال

دائیں بائیں میں نے جھانکا ڈر میں چلا اٹھا — آگے پیچھے دیکھ کر بستر سے میں چلا اٹھا

آنکھ میری کھل گئی دل دھڑکتا سا رہ گیا
اُس نظر کے تیر سے میں پھڑکتا سا رہ گیا

اب وہ خوابِ گراں تھا اور نہ گہری نیند تھی — میں وہاں سے اب یہاں غائب سنہری نیند تھی

پھر وہی دیوار و در تھے اور کاشانہ میرا — پھر وہی میں اور پہلا حالِ دیوانہ میرا

پھر وہی بستر تھا لیکن وہ حسیں منظر نہ تھا — میرے کاشانے کے وہ باہر نہ تھا اندر نہ تھا

بھارتی اماں پیاری خواب میں مجھ سے ملی — فرطِ غم سے غم کی ماری خواب میں مجھ سے ملی

اب میرے دستِ تصور میں ہے وہ اماں خیال — ہو گئی اوجھل مگر معمورۂ حسن و جمال

میرا اُس روحِ مقدس سے سلامِ باادب
میرے ذمے قوم کو دینا پیامِ باادب

پیغام اور اپیل ہوش

موجِ خونِ دل سے تم پیدا چمن کرتے چلو
پاسبانی باندھ کر سر پر کفن کرتے چلو

کوہ و صحرا رشکِ گلزار و چمن کرتے چلو
دیش کی دھرتی کے سب سیراب بن کرتے چلو

جسطرح ممکن ہو خدمت دیش کی کرتے رہو
قوم کے بہبود کا ہر دم جتن کرتے چلو

اہلِ عالم کو سکھا دو اپنی آزادی کا رنگ
اپنے بیگانے کو تبلیغِ امن کرتے چلو

کارنامے دیش کے ہونگے جہاں میں مشتہر
باپو گاندھی کے مگر پورے بچن کرتے چلو

اندرا گاندھی ہے اک روحِ رواں اس دیش کی
پیروی شکتی کی تم ہر ہر دوزن کرتے چلو

دیش بھگتی ہی تو ہے بھگوان پوجا در اصل
قوم میں اِس پیار کی پیدا لگن کرتے چلو

نوجوانانِ وطن کا پاسبانی کام ہو
بچے بچے میں یہ پیدا آچرن کرتے چلو

ہندو مسلم سکھ و عیسائی سبھی ہیں بھارتی
دورِ دل سے فرقِ رنگ ماؤمن کرتے چلو

عہدِ ماضی کے محبانِ وطن کا کیا ؟ گلہ
دورِ حاضر کے شہیدوں کا کھتن کرتے چلو

ایکتا کے دیوتا کا ہے اسی میں احترام
اس کے آدرشوں کا آدر سحن کرتے چلو

ہوش یہ دار و رسن کی تلخیوں کی ہے شراب
نوشِ جان و دل یہ شئے اہلِ وطن کرتے چلو!

میرے وطن کا ثانی کوئی وطن نہیں ہے

میرے وطن کا ثانی کوئی وطن نہیں ہے
جنت نظیر ایسا کوئی چمن نہیں ہے

محتاجِ صفت اس کا ہر مرد و زن نہیں ہے
محرومِ ضبطِ ایماں یہ انجمن نہیں ہے

یہ رہبرِ جہاں ہے یہ راہزن نہیں ہے
میرے وطن کا ثانی کوئی وطن نہیں ہے

شو برہما وشنو جی کے بھکتونکا دیش بھارت | پرہلاد دھرو جیسے بھگتوں کا دیش بھارت
انسانیت کے تن کے رکتونکا دیش بھارت | انصاف کے عدل کے تختوں کا دیش بھارت

دیرینہ اس سے کوئی دھرتی کا کن نہیں ہے

میرے وطن کا . . . .

ویدوں کا شاستروں کے پُرانونکا دیش میرا | گیتا کے لاجواب گیانوں کا دیش میرا
جیون کے سادھنوں کے سایونکا دیش میرا | پُورن شروع سے ساری زبانونکا دیش میرا

تیری زباں پہ کوئی جھوٹا کتھن نہیں ہے

میرے وطن کا . . . .

رشیوں کا دیش ہے یہ منیوں کا یہ جہاں ہے | بھگتوں کی یہ زمیں ہے سکھیوں کا آسماں ہے
بلبلوں کا سورموں کا اک بحر بیکراں ہے | یہ دیویوں کا گھر ہے پریوں کا یہ مکاں ہے

کم دیوتوں سے اس کا ہر مرد و زن نہیں ہے

میرے وطن کا . . . .

گوروں کا مرشدوں کا پیرونکا دیش میرا — شاہوں کا تاجداروں کا وزیرونکا دیش میرا
دولت میں معرفت کی امیرونکا دیش میرا — شاہانِ گنج بخش فقیروں کا دیش میرا

نردھن بھی اس زمیں پر محتاجِ دھن نہیں ہے

میرے وطن کا . . . .

رُوحانیت میں ہم سا واقف کوئی نہیں ہے — اسرارِ زندگی کا کاشف کوئی نہیں ہے
موصوف صفت ہم سا آصف کوئی نہیں ہے — اور معرفت میں ہم سا عارف کوئی نہیں ہے

صدقِ دعا میں کوئی یوں نعرہ زن نہیں ہے

میرے وطن کا . . . . . .

چوبیس اس زمیں پر اوتار ہو چکے ہیں! — نردھن کے نربلوں کے غم خوار ہو چکے ہیں
قوم و وطن کے لاکھوں دلدار ہو چکے ہیں — رام اور کرشن جنہوں کے سردار ہو چکے ہیں

پوجن میں جن کے ہم کو جائے سخن نہیں ہے

میرے وطن کا . . . . . .

ارجن نکل یدھشٹر بلوان یاں ہوئے ہیں
سہدیو دیر بھیلنو سنتان ہاں ہوئے ہیں
بھیشم درون جیاری پروان یاں ہوئے ہیں
حیراں ہے جن پہ عالم انسان یاں ہوئے ہیں
پیدا کیا کسی نے بھیم اور کرن نہیں ہے
میرے وطن کا . . . .

اسکے پہاڑ اونچے جھیلیں ہیں اسکی گہری
ندیوں کا اس کے پانی موجیلا اور لہری
دن رات اسکے چاندی شام وسحر سنہری
اک نور صد ضیاء ہے ہر موسمی دوپہری
قدرت کی کل جہاں میں ایسی پھبن نہیں ہے
میرے وطن کا . . . .

سارے جہاں سے اچھی آب و ہوا ہے اسکی
اک موجد بہاراں سقف فضا ہے اسکی
فیضانِ ابر نیساں کالی گھٹا ہے اسکی
سرمست وکیف باراں باد صبا ہے اسکی
ان خوبیوں کی مالک کان عدن نہیں ہے
میرے وطن کا . . . .

سقف فضا اور باد صبا کو اوپر نیچے بھی بدلا جاسکتا ہے۔ از ہوش

شمعِ وطن کے لاکھوں پروانے یہاں ہوئے ہیں
حبِ وطن کے ہندی مستانے یہاں ہوئے ہیں

دردِ وطن سے مضطر فرزانے یہاں ہوئے ہیں
آزادیٔ وطن کے دیوانے یہاں ہوئے ہیں

یہ مہر وماہ ہیں جن پر اثرِ گہن نہیں ہے
میرے وطن کا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پرتاپ سیواجی نے پورا کیا بچن کو
درگا نے لکشمی نے اونچا کیا وطن کو

دشمیش جی نے وارہ پرپوار تن کو دھن کو
خونِ جگر سے سینچا قوم و وطن کے بن کو

ایثار کی کسی میں ایسی لگن نہیں ہے
میرے وطن کا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اس کے سپوت سارے خدمت گزار دیکھے
جنگ و جدل میں اسکی خاطر نثار دیکھے

خاکِ وطن سے انکے بے حد پیار دیکھے
انکے دلوں میں قومی جذبے ہزار دیکھے

یہ شیر نر ہیں ان میں ڈرپوک پن نہیں ہے
میرے وطن کا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

گاندھی سبھاش موتی آزاد کا وطن یہ
بھگت سنگھ اجیت لاجپت افراد کا وطن یہ

یہ مالوی پٹیل تلک اولاد کا وطن یہ
فخرِ وطن جواہر دلشاد کا وطن یہ

ہندی کے دل میں خوفِ دار و رسن نہیں ہے
میرے وطن کا . . . .

شہرہ عدم تشدد ہیں آہنسا کے پجاری
دالی دیا کے ہم ہیں اور پریم کے بھکاری

خود جینا اور جینے دینا ہے پالیسی ہماری
جمہوریت میں پرجا ہے شانتی سے ساری

اب تلک کسی ملک میں ایسا امن نہیں ہے
میرے وطن کا . . . .

جن راکٹوں پہ عالم نازاں ہے آجکل کا
جن نشتروں پہ انسان حیران ہے آجکل کا

جن سکیتوں کا مالک دوراں ہے آجکل کا
جن کوششوں میں کوشاں انسان ہے آجکل کا

بھارت کی سائینسوں کا میل اور ملن نہیں ہے
میرے وطن کا . . . .

یہ گیت ہم نے سارے گائے ہوئے ہیں پہلے
یہ ساز بندیوں نے بجائے ہوئے ہیں پہلے
نغمے ترنموں سے سنائے ہوئے ہیں پہلے
دنیا کا سر وجد میں جھکائے ہوئے ہیں پہلے

نا آشنا ہمارا چرخِ کہن نہیں ہے
میرے وطن کا ثانی کوئی وطن نہیں ہے

کوئی نظر اٹک کر ملوے تو یہ دکھاوے
کوئی قلب دھڑک کر دھڑکن تو یہ مٹا دے
کوئی زباں کڑک کر چرچے تو یہ سنا دے
بلبل کوئی چہک کر نغمے تو یہ جگا دے

بھارت ازل سے ابتک شانِ زمن نہیں ہے
میرے وطن کا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کافر ہے اور منکر غدار ہے وہ انسان
پھولوں کی ٹوکری میں ایک خار ہے وہ انساں
قوم و وطن کا بدخواہ بدکار ہے وہ انساں
پہلو میں دل نہیں تو مردار ہے وہ انساں

حُبِ وطن کی جس کے دل میں لگن نہیں ہے
میرے وطن کا ثانی کوئی وطن نہیں ہے

۱۹۶۳-۶۴ء امرتسر

پرتھوراج ہوش

پاسبان و باغبان

اس چمن میں باغباں کچھ ایسے گل بوٹے بھی ہیں
جنکی زیبائش بڑی ہے ننگ بو جھوٹے بھی ہیں
جن نے نظروں کو دیئے دھوکے بھی دل توڑے بھی ہیں
جنکے باعث بھاگ اکثر قوم کے پھوٹے بھی ہیں

نوچ انکی پتیاں جڑ سے انہیں برباد کر
نکہتِ صحنِ چمن پابند ہے آزاد کر!

ناحشہ نغموں سے جاگ اٹھے ہیں خوابیدہ گناہ
عشقیہ گیتوں سے ہو جاتی ہے قومیت تباہ
بے ربط ذوقِ محبت سے چلی جاتی ہے چاہ
بے وجہ دلچسپیوں سے عزتِ قومی فناہ

پاسبانِ قوم ایسے مشغلوں کو روکنا
حافظانِ وطن ایسے منچلوں کو روکنا

نیک جذبے ہی ہمیشہ جاذب رحمت ہوئے
اچھے چرچے ہی جہاں میں باعثِ شہرت ہوئے
جوشِ صادق، حوصلہ مند عجب ہمت ہوئے
اچھے رسم و راہ وطن کی قوم کی عظمت ہوئے

رعبِ حریت سے جن کے آسماں تھرا اٹھا
جنکی للکاروں سے قلبِ دشمناں تھرا اٹھا

اے عمانِ وطن حبِّ وطن پیدا کرو
جذبۂ ایثار کی من میں لگن پیدا کرو
زاغ و قمری میں عنادل کے چلن پیدا کرو
ہر زبانِ تلخ پر شیریں بچن پیدا کرو

ہر کس و ناکس میں روشِ ملنساری چاہئے
طبعِ انسانی میں وصفِ غمگساری چاہئے

آج اپنے دیش میں ہے حکمرانی دیش کی
سب جگہ جھنڈا ترنگا ہے نشانی دیش کی
دیش کے بہبود پر ہے نگہبانی دیش کی
کیجئے مل جل کے پھر بھی پاسبانی دیش کی

اب تو خود غرضی کا پیدا ہی سوال ہوتا نہیں
الفتِ فرضی کا خوابوں میں خیال ہوتا نہیں

قوم کو رعیت کو سرکار اونچا کرو
شان کو اخلاق کو کردار کو اونچا کرو
چال کو رفتار کو دستار کو اونچا کرو
ہر طرح ہر مفلس و نادار کو اونچا کرو

جس طرح بھی ہو سکے آچار کو اونچا کرو
اچھے پرچاروں سے ہر پرچار کو اونچا کرو

کب ہوئی مشکل کوئی آسان ہمت ہار کر
ہوتے ہیں حیران سے حیران ہمت ہار کر

کب ٹلے کشتی سے ہیں طوفان ہمت ہار کر
کچھ نہیں پاتا کبھی انسان ہمت ہار کر

حوصلوں سے قوم کی تقدیر بدلی جا سکی
ضبطِ غم سے غم کی ہے تصویر بدلی جا سکی

اسطرح جمہوریت بدنام ہوتی جائیگی
مفلسی کی یوں شکایت عام ہوتی جائیگی

سعیٔ خوش ہنگام بھی ناکام ہوتی جائیگی
یعنی آزادیٔ وطن کی دام ہوتی جائیگی

خجستہ

سنکٹوں کا سامنا ہے ایکتا کی پرکھ ہے
راکشسوں کا جمگھٹا ہے دیوتا کی پرکھ ہے

امرتسر گھڑیالہ سنہ ۱۹۵۰ء

نغمۂ ناز

ناز ہے تجھ پر مجھے اے مادرِ ہندوستاں

ناز ہے تجھ پہ مجھے اے مادرِ ہندوستان — ناز ہے تجھ پر مجھے اے رشکِ گلزارِ جناں

ناز ہے تجھ پہ مجھے اے مامنِ امن و اماں — کون ہے ثانی تیرا اب تک بر زیرِ آسماں

کس میں ہمت ہے کہ تیری شان پیدا کر سکے

کون ہے مردوں میں بھی جو جان پیدا کر سکے

تجھ پہ سورج چاند تاروں کی شعاعیں خوشگوار — تیری صبح و شام شفقیں دلنشیں لیل و نہار

تیری فصلیں تیری ہریالی تیرے باغ و بہار — فیضِ قدرت کے ہیں یہ آئینہ نقش و نگار

کون ہے حاصل جسے ہو تیرا یہ حسن و جمال

کون ہے جس کو میسر ہو کمال اندر کمال!

بادلوں کی سیر گاہوں میں مچلتی بجلیاں — دشت و صحرا کے بگولے کالی بھوری آندھیاں

ہر لبِ شام و سحر یہ شوخ و گل گوں سیرِ خیال — موسمِ برسات میں قوسِ قزح کی جھلکیاں

تیرے میدانوں کے کوہساروں کے نظارے کہاں
ہوں تو ہوں لیکن بھلا وہ اس قدر پیارے کہاں

تیری جھیلیں تیری ندیاں تیرے پربت تیرے بن
تیری موجیں تیری لہریں تیری عظمت اور پھبن
تیرا پورب اور پچھم تیرا اتر اور دکھن!
تیرے موسم تیری رتیں تیری دھرتی اور گگن

قادرِ مطلق کی ہے یہ صنعتوں کا شاہکار
ہر حد دید ہند تو ہے انتخابِ روزگار

تیری گود میں پلی اولاد اوتاروں کی ہے
بھارتی سنتان سب آزاد دینداروں کی ہے
تیری دھرتی قطعۂ دل شاد غمخواروں کی ہے
تیری جھولی خطۂ آباد ماہ پاروں کی ہے

تیرے چرنوں کے نشاں اتنے پوتر ہیں بنے
دیوتے بھی تیرے انسانوں کے متہرین بنے

تیری آبادی کا ہر اک مرد و زن انسان ہے
تیرا شہری اور دیہاتی سادہ لوح ذیشان ہے

تیرا فیشن تیرا نیشن حسب جسم و جان ہے
تیری آزادی مطیع ضبط خویش اعلان ہے

تیرا دستور تمدن تیرا اخلاق بلند!
تو تو کیا؟ تیرے رقیبوں کو بھی ہے دل سے پسند

سب محبانِ وطن یہ آرزو رکھتے ہیں اب
سب جوانانِ وطن یہ جستجو رکھتے ہیں اب

سب بزرگانِ وطن یہ گفتگو رکھتے ہیں اب
سب عزیزانِ وطن یہ ہاؤ ہو رکھتے ہیں اب

سب اپنی انداز سے کرتے ہیں اظہار خلوص
ہر زبان پر ہر جگہ ایسا ہے اقرار خلوص

کاش پھر بھارتی شانِ زمن پیدا کرے
کاش ہر ہندی چمن اندر چمن پیدا کرے

شوخیٔ جذبات شیریں سے امن پیدا کرے
کاش ہر اوج فروغ انجمن پیدا کرے

خوش پھر خاکِ وطن کو سربلندی ہو نصیب
پھر سے اس پیر کہن کو ارجمندی ہو نصیب

یہ نظم ذیل شری مہا تما رابندر ناتھ ٹیگور کی سو سالہ برسی کی تقریب کے موقعہ کیلئے ۱۴ ار مئی سنہ ۱۹۶۱ء کو پبلک ریلیشن انتظامیہ جلسہ کمیٹی باغ امرتسر کیلئے انٹرولو سے لکھی گئی۔ (نیواری لال مہرہ)

ٹیگور

ابر بہار بن کے بہاروں پہ چھا گیا! ٹیگور چاند بن کے ستاروں پہ چھا گیا
سوزِ سخن سے ایسی لگائی دلوں کو آگ شعلہ بھڑک کے سارے شراروں پہ چھا گیا

۱۰۰ سو سالہ برسی

شب کو اک بار ستاروں نے یہ کہا دن کو زمیں پہ پھولوں بہاروں نے یہ کہا
پیشِ نظر تھے جتنے نظاروں نے یہ کہا میں ایک تھا تو ہم سے ہزاروں نے یہ کہا

یہ کس کی یادگار میں شاعر منار ہے
کس پر عقیدتوں کے ہیں سہرے چڑھا رہے

دنیائے شاعری میں ہے عزت ملی کسے علم و ادب کے باب میں شہرت ملی کسے
اقبال اور عروج میں حشمت ملی کسے علمائے باکرام میں عظمت ملی کسے

گردوں ہے کس کے سامنے تعظیم کو جھکا
کس کے زمانے سامنے تعظیم کو جھکا!

کس گل نے کھل کے باغِ وطن کو بہار دی
ہر پتّی پتّی شاخِ سخن کی نکھار دی
کس نے کلی کلی کی جوانی اُبھار دی
ہر برگ و گل سے شرمِ خزاں کی اُتار دی

نکہت اُٹھی مہک سے معطر جہاں ہوا!
رشکِ ارم یہ گلشنِ ہندوستان ہوا

نغموں میں بس گئے تھے محبت کی پیار کی
دنیا تھی جس کے دل میں بسی وصلِ یار کی
جس نے وفا کی طرزِ نئی اختیار کی
جس نے وطن کی خاک پہ جنت نثار کی

ٹیگو ایسا شاعرِ رنگیں بیاں ہوا
باغِ سخن میں بلبلِ شیریں زباں ہوا

نوکِ قلم سے جس نے ہر مضمون جگا دیا
ذوقِ ادب کا سویا ہوا خون جگا دیا
لیلائے شاعری کا ہر مجنوں جگا دیا
حبِّ وطن کا مصرعۂ موزوں جگا دیا

خوابِ ادب کی جاگ کر تعبیر کھول دی
حسنِ بیاں کی شوخیِ تفسیر کھول دی

کھیلیں لکھیں ڈرامے لکھے سب کے کام کے   ناٹک لکھے کھلونے لکھے فیضِ عام کے
اِس فلسفی نے سین لکھے صبح و شام کے   ارض و سما میں بھر دیئے نقشے دوام کے

جو کچھ لکھا کمال لکھا لاجواب ہے
گیتانجلی جناب کی پر انتخاب ہے

اِس ماہرِ فسوں کے فسانے عجیب ہیں   شعر و سخن کے اسکے خزانے عجیب ہیں
اِس بلبلِ وطن کے ترانے عجیب ہیں   اِس سامریئے ہند کے گانے عجیب ہیں

شعروں میں اِسکے لئے ہے ترنم ہے سوز ہے
جو بھی ہے بات اِس کی عجب دِل فروز ہے

سو سالہ اسکی آج یہ برسی وطن میں ہے   گاتی اسی کے گیت ہر بلبل چمن میں ہے
دھڑکن اِسی کے دِل کی ہر سرو سمن میں ہے   روشن اِسی کی آج شمع انجمن میں ہے

انسان بھی جس کے گرد ہیں پروانوں کی طرح
ہم ہوش جس پہ مست ہیں دیوانوں کی طرح

اس دیوتا البشر کی ہم پوجا کیا کریں — شردھاؤں سے بھری ہوئی شردھا دیا کریں

دھو دھو کے اسکے نقش قدم کو پیا کریں — پھر اس سے ہر مراد مُنہ مانگی لیا کریں

ٹیگور دیوتا تھا البشر کے لباس میں

اور پوجنے کو یوگیہ ہے سب کے قیاس میں

یہ سن کے ہوش چاند ستارے چلے گئے — جھوم روشنی کے منارے چلے گئے

شبنم کے موتیوں کے اشارے چلے گئے — میرا جواب پاتے ہی سارے چلے گئے

میں بھی چلا ہوں محفل احباب چھوڑ کر

جیئے ہند حاضرین تمہیں دو ہاتھ جوڑ کر

لیکن تمہاری محفل رنگین جمی رہے — حسن بیان شعر کی دنیا بسی رہے

سننے سنانے میں بھی نہ ہرگز کمی رہے — اور یہ سٹیج معتبروں کی سجی رہے

واہ واہ کا تالیوں کا فضا میں ہجوم اٹھے

کیف سرور وجد سے ہر ذرہ جھوم اٹھے

تاشقند

(لال بہادر شاستری جی)

بن گیا ماتم کدہ ہندوستان اک آن میں
ہو گیا ہے غمزدہ سارا جہاں اک آن میں

چھا گیا عالم پہ اک غم کا سماں اک آن میں
ہو گئی دنیا نوا سنج فغاں[1] اک آن میں !

بجھ گئی ہے مشعلِ امن و اماں اک آن میں
رک گیا انسانیت کا کارواں اک آن میں

بن گئے ہیں اک صفِ ماتم بلادِ شرقیہ
اور اٹھا مغرب سے آہوں کا دھواں اک آن میں

چھپ گیا ہے چودھویں کا چاند اُفقِ دہر سے
اٹھ گئی غمگین بزمِ کہکشاں اک آن میں

عرش پر وقفِ غم ماتم ہوئے قدسی اے عرش
فرش پر بسمل بنا ہر مرغِ جاں اک آن میں

بلبلانِ خوش گلو کے چہچہے جاتے رہے
ہر حسینِ خوبرو کے قہقہے جاتے رہے

[1] فغاں

وقفِ غم

ماہ و خورِ انجم ستاروں میں اُداسی چھا گئی — سبزہ و گل میں بہاروں میں اُداسی چھا گئی

دشت و صحرا کوہساروں میں اُداسی چھا گئی — شجروں نخلوں شاخساروں میں اُداسی چھا گئی

ہر گل و غنچہ میں خاروں میں اُداسی چھا گئی — اُسے نظر سارے نظاروں میں . . .

ہر مسافر رک گیا اور رہ گیا دل تھام کر — پیدلوں میں شاہ سواروں میں . . .

گلشنِ معنی ہُوا تاراج بادِ دورِ خزاں — تشبیہوں میں اِستعاروں میں . . .

کھلنے والے پھول بھی مرجھا گئے ہیں بن کھلے — آنے والی بھی بہاروں میں . . .

اِس قدر قطعاتِ آبی میں ہُوا احساسِ غم — لہروں موجوں آبشاروں میں . . .

قطرے قطرے نے شہادت غم کی دی شبنم ہُوا
ذرہ ذرہ خاک کا ہے شاملِ ماتم ہُوا

اے بہارِ سرزمیں بوستانِ تاشقند — اَے نوائے رازِ جانِ بلبلانِ تاشقند

اے زمینِ تاشقند اے آسمانِ تاشقند — اَے فروغِ رونقِ بزمِ جہانِ تاشقند

اَے پیامِ خواہشِ امن و امانِ تاشقند — اَے وفورِ شوقِ وصلِ حکمرانِ تاشقند!

اے گزشت رنگ افسونِ فسانۂ قدیم — اے بیانِ دلنشین داستانِ تاشقند

اے ہوائے انحصارِ جانِ حیوان و بشر — اے وجودِ کششِ عملِ آب و نانِ تاشقند

اے اصولِ پاسِ وضع ارتباط و اختلاط — اے طریقِ رنگِ شفقت بر بہ خوانِ تاشقند

تجھسے میں نے پوچھنا ہے کچھ سوالوں کا جواب

عرش والے مانگتے ہیں ہند والوں کا جواب

اے نظیرِ باغِ جنت اے دیارِ تاشقند — اے عروجِ شان و شوکت اے وقارِ تاشقند

اے نسیمِ صبحِ رنگیں اے بہارِ تاشقند — اے شمیمِ جانفزائے مشک بارِ تاشقند ٭

اے ہوائے کیف زائے سازگارِ تاشقند — اے فضائے پُر بخارِ خوشگوارِ تاشقند

اے شفق آلود نورِ غازۂ شام و سحر — اے عبورِ گردشِ لیل و نہارِ تاشقند

اے چرند و اے پرند و اے ہمہ حشرات الارض — کشت ہائے میوہ جات و سبزہ زارِ تاشقند

اے سرورِ نشۂ جامِ شرابِ دل فروز — اے خمارِ بادۂ عشرت فشارِ تاشقند

٭ جانفزا و مشک بار بھی ٹھیک ہے۔

آسمانِ ہند کا وہ ماہِ کامل کیا ہوا؟

سرزمینِ ہند کا وہ سروِ ماضِل کیا ہوا؟

کیا ہوا اس واقفِ طرزِ بیاں کو کیا ہوا! — کیا ہوا اُس آشنائے ہر خستہ جاں کو کیا ہوا

کیا ہوا اُس نازشِ ہندوستان کو کیا ہوا؟ — عہدِ پیری میں پسندیدہ جواں کو کیا ہوا ؟

کیا ہوا نعرۂ برحق زباں کو کیا ہوا؟ — کیا ہوا اُس جے جوان وجے کساں کو کیا ہوا؟

کیا ہوا اُس شیر دل شاہین جگر جاں باز کو — کیا ہوا اس ضامنِ امن وامان کو کیا ہوا ؟

جس کی جانِ مبتلا میں تھا دلِ درد آشنا! — کیا ہوا اُس نیک دل اُس نیک جاں کو کیا ہوا؟

گرمیٔ ایثار و غیرت شوقِ حسن و جمال — حسرتا! اس نازشِ ہندوستاں کو کیا ہوا؟

صبر و استقلال میں جس کا کوئی ثانی نہ تھا — دیوتا انسان دلِ روحِ رواں کو کیا ہوا؟

کچھ تو بولو آخرت منہ میں زباں رکھتے ہو تم

کچھ تو بولو دل میں جو رازِ نہاں رکھتے ہو تم

جس نے روشن کر دیا ہندوستان کے نام کو — جس نے شہرت بخش دی تاروں کو خاص و عام کو

جس نے اپنے شہرتِ شیریں زبان خلق سے — قند و مصری کر دیا ہر تلخیٔ ایام کو!

خدمتِ قوم و وطن سے جو بنا مخدومِ قوم — جس نے جامِ جم بنایا مفلسی کے جام کو

جس نے روشن کر دیئے اوراقِ تاریخِ وطن — اور صفِ اول میں لے آیا وطن کے نام کو

قوم کو جس نے نکالا گردشِ ایام سے — کامراں جسنے کیا ہر اک دلِ ناکام کو

محنتِ شاقہ سے جسکے ہو گئے ہم خود کفیل — روزِ روشن کر دیا مغرب کی صبح و شام کو ٭

اسکی بابت کچھ تو بولو ساکنانِ تاشقند

کچھ ضمانت دے تو دو اے ضامنانِ تاشقند

یہ بھی کیا مہمان نوازی کا کوئی انداز ہے — یہ بھی کیا عشق و محبت کا مقرر کاز ہے

یاد رکھو اس کی مرگِ ناگہانی میں راز ہے — یاد رکھو یہ بھی ہم سے غمزۂ غماز ہے

یہ کسی سازشِ مکمل کا عجب انداز ہے — یہ کوئی تنظیم تو ہے جو کہ ہمساز ہے

٭ جس نے باہر کر دیا بھی ہو سکتا ہے۔

جو ہوا سچ پوچھ تو با دو گوش بر آواز ہے
ساز ہندی میں لچکتا ایک سوز و ساز ہے

قوم میں مرحوم ہستی اس قدر ممتاز ہے
تا حشر عظمت ہے دل میں تا حشر اعزاز ہے

مجلس ہندوستان کا امام پاک باز
دہلوی سرکار کا وہ اہل کار سر فراز!

روز اول سے ہی وہ حساس دل رکھتا رہا
ہر ارادہ تا موخر مستقل رکھتا رہا

مرد میدان عمل تھا کار زار زیست میں
جیب سینہ میں ہمیشہ شیر دل رکھتا رہا

مشکلوں میں اس نے گھبرانا کبھی سیکھا نہ تھا
عہد پیری میں جوانوں کو خجل رکھتا رہا

سادگی دانشوری سے تھا وہ نہرو کا عزیز
جذبہ ایثار دل میں بے مثل رکھتا رہا

خواب میں بھی لب پہ حرف آرزو لاتا نہ تھا
اس قدر تیاگی تپی جیون کی ہل رکھتا رہا

دست قدرت نے بنایا تھا وہ بندہ نور سے
بے گناہ ہوتے بھی دل کو منفعل رکھتا رہا

جذبۂ حب وطن سے اس کا دل معمور تھا!
اسکے چہرہ سے نمایاں ماہ و خور کا نور تھا!

وطن کے بہبود پر اس کی نگہبانی رہی — اس کی چھاتی سرحدوں پر دیش کے تانی رہی

منزلوں میں در سفر ہمت رہی اسکی بلند — مشکلوں کا درگزر ہی اسکی آسانی رہی

اس نے اپنے آپ کو سمجھا سپاہی قوم کا — اس کی تدبیر و صلاحیت عین قربانی رہی

اس نے فرض العین کو سمجھا حدیث زندگی — اسکے دل میں گر رہی تو حب انسانی رہی

قوم میں اسکے ارادے مستقل مانے گئے — اس کی ہر تائید اور تجویز لاثانی رہی

خدمت قوم و وطن سے وہ بنا مخدوم قوم — خاکساری سرفرازی میں بہت مانی رہی

ذکر اس کا تا قیامت ہے زبانوں کے لئے
عین صادق اسکی مدحت ہے بیانوں کیلئے

ہر علوم مشکل اسے محسوس آسانی رہی — ہر مصیبت میں بھی اسکی خندہ پیشانی رہی

اپنی نسبت غیر کی خاطر پریشانی رہی — جذبۂ ایثار کی دل میں فراوانی رہی

ہر غم و غصہ میں اسکی بُردباری بےمثال — دوست اور دشمن پہ شفقت اور مہربانی رہی

از سر منزل سے لیکر تا سر منزل اے ہوش — عقل و دانش سعی و ہمت اسکی لاثانی رہی

خاکسارانہ ملا کرتا تھا بن کر سرفراز | خاکساری سربلندی میں بڑی مانی رہی
اپنی شخصیت سے بھارت میں رہا اپنی نظیر | آشنائے دردِ دل اسکی گراں جانی رہی

حسرتا! کچھ تنگ نکلا عرصۂ قیدِ حیات
مانا کہ دارِ الفنا میں ہے کسے حاصل ثبات

مادرِ ہندوستان کی آنکھ کا تارہ تھا وہ | سب اُسے چاہتے رہیں گے اسقدر پیارا تھا وہ
روزِ اول سے ہی جانِ مبتلا لایا تھا وہ | دردِ دل سے آشنا تھا درد کا مارا تھا وہ
فرض کی پہچان بہر طرفہ تر حسنِ عمل | ہر نگاہ جسکی ہو نرگس ایسا نظارہ تھا وہ
گرم و سرد و خشک و تر میں معتدل اسکا مزاج | موم کا پتھر کا ہر موقعہ پہ انگارا تھا وہ!
جسکی صحبت میں تھی زیرِ پرورش انسانیت | گنگا جمنا کا بہاؤ دودھ کی دھارا تھا وہ
دائۂ ایامِ غم نے کی تھی جس کی پرورش | جس نے ہر راحت کو اپنی قوم پر وارا تھا وہ

سہم کر شامِ غریباں اس کے گھر آتی رہی
خوف سے صبحِ بہاراں بھی گزر جاتی رہی

رادھا کرشن جی

{ در صفِ مردان جوش اطوار مردِ انتخاب
{ در صفِ روشن ضمیراں ہم نظیرِ آفتاب

فلسفی عالم مدبر تارک الحرص و ہوا (۱) قدسی انساں مفکر دیوتوں کا دیوتا
کاتب و راقم محرر ندرت با ارتقا پُراثر تمکیں مقرر گرمئی صدق و صفا
صوفی و مومن مفکر پاکباز و پارسا عارف و عابد منوّر زاہد رمز آشنا

مردِ لاثانی جناب ڈاکٹر رادھا کرشن

سادگی دانشوری اور جذبۂ حبِّ وطن (۲) جرأتِ ایثار و غیرت عظمتِ شانِ زمن
سر بلند و خاکسار و بُردبار و خوش چلن متقی و منطقی و صالح زاہد سخن!
انتخابِ روزگار و افتخار در وطن تارک الدنیا برائے خدمت قوم و وطن

مردِ لاثانی جناب ڈاکٹر رادھا کرشن

نظم ذیل یوم ولادت پر زیر صدارت شری ہربنس سنگھ۔ ایم۔اے۔بی۔ای
و۔ بلاک جنڈیالہ گورو امرتسر شری جین مندر جنڈیالہ گورو میں پیش کی گئی۔

ٹیچر ڈے اور یادگار

یہ تقریبِ وطن ہم چند سالوں سے مناتے ہیں
رسومِ فیضِ محفل حسبِ الناس آزماتے ہیں

جناب ڈاکٹر رادھا کرشن کی رواداری
کہ جس میں قوم کے اُستاد ہی کچھ فیض پاتے ہیں

مگر افسوس کہ ہم محترم کی بات کم سمجھے
ارادت سے صلاحیت کے کچھ مضبوط ناطے ہیں

بتلا گئے دوستوں کو میں نہ سکے بار ہا مطلب
ہمیشہ دیدہ ور اقوام کو اونچا اٹھاتے ہیں

زمانہ قوم کا معمار کہتا ہے مدرس کو
اسی طبقے میں اپنی قوم کی عظمت کو پاتے ہیں

ہوا استاد جب اونچا وطن نے عظمتیں پائیں
یہی موصوف کی رگ رگ میں نغمے گنگناتے ہیں

بجائے جنم دن استاد سے رغبت رہی ان کو
وہ خود استاد تھے استاد سے الفت رہی ان کو

ہم اس تقریب کے ابتک معنی کچھ نہیں سمجھے
یہ ٹیچر ڈے ہے کس ڈھب کی کہانی کچھ نہیں سمجھے

جنم دن ایک فخرِ قوم کا اس رُوپ میں کیوں ہے
ہم اس تقریب کا رازِ نہانی کچھ نہیں سمجھے!

بھلا وُہ لوگ رفتارِ زمانہ خاک سمجھیں گے
جو موجِ بحرِ تلمذ کی رُوانی کچھ نہیں سمجھے

یہ ناممکن وہ سمجھیں گے وطن کی قوم کی حالت
جو ایسے مہربان کی مہربانی کچھ نہیں سمجھے

شہیدانِ وطن کی اسلئے ممتاز ہے ہستی
مقابل موت کے وُہ زندگانی کچھ نہیں سمجھے

محبانِ وطن کی ہر ادا اک دخلِ فرزانہ
وطن کے پیار میں دُنیائے فانی کچھ نہیں سمجھے

سمجھا بھی ہے آخر ہوش ہر اک بات کا مشکل
وُہ آسانی سے تیری خوش بیانی کچھ نہیں سمجھے

یادگار

جب بھی یہ دن اے یار آتا ہے
یاد کوئی ہزار آتا ہے!

ہے مبارک وہ بزم کہ جس میں
ذکرِ مردانِ کار آتا ہے

دیش بھگتی کی یہ رَوش تک کر
رادھا کرشن سے پیار آتا ہے

سادہ لوحی اور دور اندیشی
لطف ضبطِ شعار آتا ہے

ترک حرص و ہوس سے اے زاہد
دِل کو صبر و قرار آتا ہے

بے عمل کہنے سننے سے سب کی
ذمّہ داری پہ بار آتا ہے

کون کرتا ہے فکر قوم و وطن
سب کو اپنا سُدھار آتا ہے

ٹیچر اور فرض شناسی

(۱)

وطن کی آج کی حالت کا ذمہ دار ہے ٹیچر
جو فرض العین سے غافل ہوا بیکار ہے ٹیچر

ہوا ہے خواہ مخواہ منت کش عزم غم حاصل
گئے وہ دن کہ کہتے تھے بڑا خود دار ہے ٹیچر!

اسی کے فرض سے ہوتی تھی اکثر سر خرو دنیا
اسی کو لوگ کہتے تھے کہ خوش کردار ہے ٹیچر

اسی کی چشم بینا کا تصور سالمیت ہے
وطن کی ایکتا کا سر بسر پرچار ہے ٹیچر!

اسی کے دِل کی پاکیزگی کلیدِ دین و ایمان تھی
بنائے سادگی سے مطلعِ انوار ہے ٹیچر!

اَزل سے فطرتِ آزاد تھی اس کی طرح داری
اَبد تک جذبۂ کامل کا پیرِ و کار ہے ٹیچر!

ہر اک محفل چراغِ حسن سے اسکے بنی رونق
ہر اک مجلس کا صدرِ محترم مختار ہے ٹیچر!

صبا پیغام دے میرے وطن کے گوشہ گوشہ کو
وطن کی سالمیت کا علمبردار ہے ٹیچر!

ابھی تک بھی بڑی عزت ہے ہر اک نگاہوں میں
اَبھی تک ہے کہاوت قوم کا معمار ہے ٹیچر!

اسی نے قوم کے چھوٹے بڑے کو ایک نظر دیکھا
چلے جس پر فرشتے وہ راہِ ہموار ہے ٹیچر!

(۲)

عدم میں بھی نجاتِ اسکے سوا حاصل نہیں ہوتی
جہاں میں بھی ہر اک عظمت کا سایہ دار ہے ٹیچر!

خوشی شاگردکی اُستاد کو اَولاد سے بہتر
دعائے صدقِ دِل کا حوصلہ بردار ہے ٹیچر!

اِسی کے میکدوں سے پی رہے ہیں آجکے میکش
جسے ترکِ ہوس ہے ساقیٔ خوددار ہے ٹیچر!

ابھی تک بھی علاجِ دردِ پیہم اسے کہئے
ابھی تک بھی اصل میں قافلہ سالار ہے ٹیچر!

(۳)

اسے نا اہل انسانوں نے ہے نا اہل کر ڈالا
وگرنہ آج بھی دُنیا میں اہلِ کار ہے ٹیچر!

اسی کی دھڑکنوں میں لاکھ ہنگامے ہیں طوفاں ہیں
زمانے کی نبض پر دستِ حکمت کار ہے ٹیچر!

سیاست کون کہتا ہے کہ دین داری پہ مبنی ہے
بچا اس سے رہا گویا بڑا دیندار ہے ٹیچر!

وطن کے حکمراں اسکے مطلق کان تو کھولیں
مرقعٔ ادب ہے شوخیٔ گفتار ہے ٹیچر!

ابھی تک بھی کوئی طبقہ نہیں غمخوار قوم اتنا
ابھی تک بھی زمانے پر بڑا اُپکار ہے ٹیچر!

دیارِ ہند کا دورِ غلامی تھا کہ آزادی
جہادت کیلئے ہر دم رہا تیار ہے ٹیچر!

گیا ماضی تو مستقبل بھی اسکی دسترس میں ہے
زبانِ حال کا گلدستۂ اظہار ہے ٹیچر!

ہمارے صدرِ اعلےٰ کثرتاً استاد گزرے ہیں
وطن کی آبرو ہے طرۂ دستار ہے ٹیچر!

مگر اُستاد حسنِ سادگی کو چھوڑ بیٹھا ہے
مگر عقلِ رسا کی زندگی کو چھوڑ بیٹھا ہے

از ۱۹۶۵ تا ۱۹۷۴ء پیش کردہ مجموعہ لہٰذا ۔

از پرتھوی راج ہوش امرتسر

ایک شعر:- عبادت سے ریاضت سے زیارت سے کہیں بڑھ کر
میں اپنے فرض میں ہی بندگی محسوس کرتا ہوں

فرضِ انسانی

از ہوش

جاں نثارِ جذبۂ صدق و صفا کرتے چلو — دل حریصِ لذتِ مہر و وفا کرتے چلو!

ہو سکے تم سے تو ہر اک کا بھلا کرتے چلو — بس یہی ہے خدمتِ خلقِ خدا کرتے چلو

جس قدر بھی ہو سکے ممکن وفا کرتے چلو — دوستوں کی دوستی کا حق ادا کرتے چلو

جو بدی کرتا ہے اسکو روک جو رکسکے — نیک بندوں کیلئے ہر دم دعا کرتے چلو

ہر پیامِ حق پرستی کو سنو! سمجھو! کہو! — اِس طرح اِک فرضِ انسانی ادا کرتے چلو

جنسِ آدم میں نہ پھیلاؤ کبھی فسق و فساد — دھرم کو سائنس سیاست سے جدا کرتے چلو

عشق میں دار و رسن سے لپٹ جاؤ اے ہوش
یوں مکمل زندگی کا مدعا کرتے چلو

از ہوش

ایکتا کی حفاظت

وطن کی رہزنوں سے ایکتا لٹنے نہیں دینگے
بنوں میں راکششوں سے دیوتا لٹنے نہیں دینگے
متاعِ خدمتِ خلقِ خدا لٹنے نہیں دینگے
عزیزو! ہم دلِ دردآشنا لٹنے نہیں دینگے

حقیقی زندگی کا مدعا لٹنے نہیں دینگے

کسی کی دیش سے ذاتی سے غداری نہیں اچھی
رہے اپنوں میں ملکر غیر سے یاری نہیں اچھی
مسیحا بن کے دشمن ہو یہ عیاری نہیں اچھی
بغل میں کفر کی چھریاں ہوں دینداری نہیں اچھی

وطن کی شان ہم اہلِ وفا لٹنے نہیں دینگے

لٹے دھن مال دولت نہ رہے گھر بار لٹ جائے
دفینے لوٹ لے کوئی گلے کا ہار لٹ جائے
لٹے پریوار ہمسائے لٹیں غمخوار لٹ جائے
لٹے سب کچھ لٹا دینگے اگر اے یار لٹ جائے

مگر ہم دولتِ صدق و صفا لٹنے نہیں دینگے

مذاہب کے یہ سب جھگڑا خیالوں نے کئے پیدا
یہ سارے تفرقے شیطانی چالوں نے کئے پیدا
یہ خود غرضی کے پھندے غرض والوں نے کیے پیدا
یہ سودے خام بھارت میں دلالوں نے کئے پیدا

کبھی ہم عظمتِ مہر و وفا لٹنے نہیں دینگے

غلامی میں ہوئے جو جو ستم بھولے نہیں اب تک
سہے صدیوں میں جو رنج و الم بھولے نہیں اب تک

محبانِ وطن کے درد و غم بھولے نہیں اب تک
شہیدانِ وطن کے سر قلم بھولے نہیں اب تک

بلی قربانیوں کی جو جزا لٹنے نہیں دینگے

دھرم کے نام پر قومِ وطن میں پھوٹ نہ ڈالو
صداقت کی دکانوں میں یہ سودے جھوٹ نہ ڈالو

سٹیجوں میں کھڑا دیں اور گھر میں بوٹ نہ ڈالو
تیاگی بن کے بازارِ وطن میں لوٹ نہ ڈالو

کسی حالت میں ہم گھر دیش کا لٹنے نہیں دینگے

وفا پیشہ وطن کے باوفا حضرات کو مانو
وطن کے راہبرانِ صدق دل کی بات کو مانو

اور شیرینی کے بھوکو! تلخیٔ حالات کو مانو
بتوں کو پوجنے والو خدا کی ذات کو مانو!

بہت ہم لٹ چکے ہیں اب ذرا لٹنے نہیں دینگے

اٹھو! مانگو دعا حق سے وفاؤں کی قسم کھاؤ
وطن کی شان کو پوجو خداؤں کی قسم کھاؤ

وطن میں ایکتا لاؤ خطاؤں کی قسم کھاؤ
تیاگو کالا دھن گندی اداؤں کی قسم کھاؤ

وگرنہ ہوش ہم زر دیش کا لٹنے نہیں دینگے
بنوں میں راکشوں سے دیوتا لٹنے نہیں دینگے

سینیٹ میٹنگ - ۱۹۶۲ - ۳ - ۳۱/۳۰ از ہوش

صدائے حق

بر تقریب سعید یوم آزادی بشرف فخرِ وطن نازشِ زمن دخترِ لہرو بھارت رتن مہاشکتی اندرا گاندھی وزیر اعظم بھارت سرکار نئی دہلی۔ ۲۲ جنوری ۱۹۷۶ء

اے عزیز و مفتخر اے شانِ بھارت اندرا — اے حسین مضمون اے زرین عبارت اندرا
اے جمیع اوصاف اے سعید بشارت اندرا — اے امین امنِ ایمانِ حرارت اندرا

تیرے حسب و نسب کا ثانی نہیں ملتا کوئی
قوم کو تجھ سا دھنی دانی نہیں ملتا کوئی

تو نے شہرت بخش دی ہندوستان کے نام کو — تو نے روشن کر دیا ہے خاندان کے نام کو
تو نے کی ندرت کو عطا حسنِ بیاں کے نام کو — تو نے دی شانِ شجاعت ہر جواں کے نام کو

تیری صورت تیری سیرت تیری دانائی ہے نور
تیری چشم دوربیں میں تیری بینائی ہے نور

قابل تسلیم ہر موقعہ پہ دانائی تیری
عقل و حکمت ہر کسی نے دور رس پائی تیری

تیری ہِمّت پیار تیرا بزم آرائی تیری
مانتا ہے ہندو مسلم سکھ عیسائی تیری

ایکتا کے دیوتا باپو کی پیرو کار تو

اور شہہ بے تاج نہرو کی سپہ سالار تو

قوم صدیوں تک تیری ممنون ہے مشکور ہے
دیش احسانوں سے تیرے ہو گیا مسحور ہے

تو سیاست زارِ عالم میں نظر منظور ہے
تو زمانے کیلئے اِک جلوہ مستور ہے

کانگریس مندر ہے ہر مندر میں ہے مورت تیری

ہر تصور میں رہے گی تا ابد صورت تیری

تیری ہر آواز ہر اک بے نوا کا ساز ہے
تیری تقریروں پہ عالم گوش بر آواز ہے

تیرے ایثار و محبت پر وطن کو ناز ہے
تیری فطرت شانِ انسانی کا خوش انداز ہے

تیرے پیغامِ امن کا ہر کوئی شیدا ہے آج

حریت کا ہر جگہ اِک رعب سا پیدا ہے آج

ہر ادا سے ہر روش سے ہر جگہ شہرت تیری محفلوں میں مجلسوں میں ہر طرح عزت تیری
ہے جبینِ ہند پر تابندہ تر حشمت تیری ہے ثریا سے بھی بالا اوج پر عظمت تیری

پس اسی عظمت سے عہدہ ہے تیرا سب سے عظیم
پس اسی نسبت سے تو ہے وارثِ لقبِ قدیم

تیرے اب نقشِ قدم چومیں گے مخدومِ ادب کوئی رہ جائیگا نہ عالم میں محرومِ ادب
تیرا اخلاق و تدبر ہے کہ مفہومِ ادب تیرا جمہورِ وطن ہے مستندِ ملزومِ ادب

تیری فطرت میں تقاضائے امن از بسکہ ہے معتقدِ ملزوم
گلشنِ ہستی بہارانِ چمن از بسکہ ہے

اندرا محبوب تو سارے زمن کی آنکھ میں تو ہے انسان دیوتا اہلِ وطن کی آنکھ میں
تو صدور الصدر ہے ہر انجمن کی آنکھ میں تو گلِ زیبک نشان ہے ہر چمن کی آنکھ میں

مادرِ ہندوستان کی آنکھ کی پتلی ہے تو!
ظلمتوں میں نور برساتی ہوئی بجلی ہے تو!

تیرے دم سے دم میں دم ہے دہلوی سرکار کا　　تو ہی ہے ماحول و مرکز حلقۂ دربار کا!

تجھ سے ہو سکتا ہے حل ہر مشکل دشوار کا　　تجھ سے ہی ہے رابطہ اس وقت کے کردار کا

تیرے ہی فیض مقدم سے ہے بھارت خود کفیل

تیری ہی نظر عنایت سے ہے جنت کی دلیل

مجھ کو بھی تیرے عدل کی اک کرن درکار ہے　　مجھکو بھی تیرے مقدس آستان سے پیار ہے

میری بھی نظروں میں جمہوری تیری سرکار ہے　　مجھکو بھی تیری پسند آئی طبع غمخوار ہے

میری مشمولہ گذارش لائق انصاف ہے

میرا بھی ذوق طلب شائق انصاف ہے

یوم آزادی مبارک ہو تیری سرکار کو　　تیرا ان بستیوں کو تیرے اور تیرے غم خوار کو

ہو مبارک ضد مبارک نوجواں پریوار کو　　تیری جرأت تیری ہمت اور تیرے ایثار کو

گلشن معنی سے چن کر پھول برساتا ہوں میں

یوم آزادی مبارک گیت یہ گاتا ہوں میں

مرحلیہ مورخہ ۲۲-۱-۱۹۷۶　　(ادہوش)

نیتا جی

فخرِ زمان و فخرِ وطن سبھاس چندر بوس

وطن کے اُفق پر اک مطلعِ انوار تھے نیتا (۱) لڑکپن سے وطن کے درد سے بیزار تھے نیتا

سپاہی قوم اور دیش کے سردار تھے نیتا ہماری شرف و شانِ وطن کے پیار تھے نیتا

محبانِ وطن کے قافلہ سالار تھے نیتا

وہ اپنے قول کے صادق ارادے کے سٹالن تھے وہ ہمت کے دھنی تھے حوصلے کے مردِ مومن تھے

وہ اپنے جذبۂ کامل سے سو فرہاد و کوہکن تھے وطن کی لیلیٰ و شیریں کے شیدائے جنوں فن تھے

جنونِ عشق آزادی سے بھی سرشار تھے نیتا

اُنہیں ہندو مسلمان سکھ عیسائی سے اُلفت تھی اُنہیں شیخ و برہمن پادری بھائی سے اُلفت تھی

اُنہیں ہر رنگ سے قدرت کے شیدائی سے الفت تھی اُنہیں ہر برگ و گل سے کوہ او کائی سے الفت تھی

وہ ہر اک نسلِ انساں کے غمخوار تھے نیتا

حقوقِ حق پیدا انسان کا حاصل انکی کوشش تھی
ہر اک انسان کی محویت دل اُنکی کوشش تھی

وطن میں یادگارِ رنگ محفل انکی کوشش تھی
غلام آباد کا مقصود منزل انکی کوشش تھی

وُہ نہرو اور پتا گاندھی کے پیرو کار تھے نیتا

وُہ منزل جس میں ہم پہنچے ہیں آزادی میسّر ہے
وُہ منزل جسکی آبادی کو آبادی میسّر ہے

وُہ منزل جسمیں غم جاتے رہے شادی میسّر ہے
وُہ منزل جسکو ہر اسلوب بنیادی میسّر ہے

وطن کی فوج ہمت کے سپہ سالار تھے نیتا

جنہوں نے انکو دیکھا ہے وہ اکثر یار کہتے ہیں
وہ انکی شکل و صورت قابل دیدار کہتے ہیں

وہ ہر انسان کا ہمدرد اور غمخوار کہتے ہیں
وہ سو سو بار کہتے ہیں بصد اصرار کہتے ہیں

تکلم اور خاموشی میں پُر گفتار تھے نیتا

محبان وطن کے قافلہ سالار تھے نیتا

وُہ نہرو اور پتا گاندھی کے پیرو کار تھے نیتا

اہلِ وطن کو جس کا ابھی تک ہے انتظار	پاؤں کی جسکے آہٹیں آتی ہیں بار بار
جسکے قدوم فیض کی چاہت ہے بیشمار	تازہ ہے جسکی یاد کی محفل میں یادگار

جسکے جنم کا آج ہُوا اہتمام ہے
اُس فخرِ قوم کو میرا سو سو سلام ہے

جسنے وطن کی غیر حکومت سے جنگ کی	جس نے چلائی لہر بھی دو چار رنگ کی
جس نے مٹائی ساکھ ہر اہلِ فرنگ کی	جس نے ابھاری شان وطن کے ترنگ کی

جمہوریت یہ جس تمنّا کا نام ہے
اُس فخرِ قوم کو میرا سو سو سلام ہے

اُسکا رہیگا قوم پہ احسان تا حشر (۴۴)	لائے گا دیش ہر طرح ایمان تا حشر
اُسکے قرب ہیں وید اور قرآن تا حشر	اُسکے مداح ہیں ہندو مسلمان تا حشر

اس کا جہاد دل پسند خاص و عام ہے
اُس فخرِ قوم کو میرا سو سو سلام ہے

از ہوش

ہری کشن سرحدی

سو سو سلام مادرِ ہندوستان تجھے
سو سو سلام وارثِ نام و نشان تجھے
سو سو سلام سجدہ گہہ آسمان تجھے
سو سو سلام نخوت و فخرِ جہاں تجھے

دیدہ و دل میں تیری محبت مُقیم ہے
ہر سانس زندگی کا عقیدہ عظیم ہے

گودی میں تیری حُبِّ وطن کے جواں پلے
آنکھوں میں تیری گوہر و لعل و نشاں پلے
سینے میں تیرے جذبۂ روحِ رواں پلے
ہاتھوں میں تیرے جوہرِ تیغ و سناں پلے

ہر اک زمانہ تیرے زمانوں کی ہے زمیں
ہر اک فسانہ تیرے فسانوں کی ہے زمیں

قطعات اس زمین کے مشہور تین ہیں
قربانیوں کے روپ میں معمور تین ہیں
ظلمت کدۂ دہر میں یہ نور تین ہیں
کچھ ہیں نظر میں اور بھی منظور تین ہیں

ویسے تو ہر مقام پہ زورِ جہاد تھا
ارضِ وطن میں ہر طرف شورِ جہاد تھا

بھارت میں کچھ مقام ہے شہرت کی داستاں
قوم و وطن کے پیار و محبت کی داستاں
قربانیوں کے جوشِ شہادت کی داستاں
میدانِ زندگی میں شجاعت کی داستاں

ترک و طلب کے رنگین فسانے ہیں بیمثال
اِس سرزمیں کے جملہ زمانے ہیں بیمثال

پنجاب دھڑکنوں کا رہا دل ہے دیش میں
جسمیں جلے چراغ وہ محفل ہے دیش میں
سرمایۂ حیات کی منزل ہے دیش میں
کچھ واقعاتِ خاص کے قابل ہے دیش میں

حُبِ وطن کے جام کا داعی پنجاب ہے
آزادیوں کی لہر کا بانی پنجاب ہے

بنگال سے اٹھی گھٹا سرحد پہ چھا گئی
پنجاب میں برس گئی رنگ اپنا لا گئی
پھیلا گئی وطن میں جنوں کی ہوا گئی
ہر بھارتی کے دل کی صدا لب پہ آ گئی

غیروں کی ہر طرح سے غلامی نہیں پسند
غیرت رہے نہ جس میں سلامی نہیں پسند

ہوشِ جنوں ہیں رنگِ شہادت فزوں ہُوا — دار و رسن ہیں قید ہیں کتنوں کا خون ہُوا
کتنے وطن بدر ہوئے حالِ زبوں ہُوا — آزادیٔ وطن تو ملی اے ہوش یوں ہُوا

قہر و غضب سے قصرِ شہادت کے در کھلے
حسب و نسب سے نظرِ عقیدت کے در کھلے

اِن ہیں کئی شہید بھی گمنام رہ گئے — دم گھٹ گیا قفس ہیں تہِ دام رہ گئے
محفل ہیں آتے جاتے صبح و شام رہ گئے — ساقی کو کیا ہُوا کہ وہ بے جام رہ گئے

بچھڑے ہوؤں کی یاد کسی نے دِلا تو دی
ساقی نے دیر بعد کچھ آخر پلا تو دی

ہری کشن اِن شہید جوانوں میں ایک تھا — سرحدی ہندوؤں ہیں پٹھانوں میں ایک تھا
جاں باز و جاں نثار گھرانوں میں ایک تھا — انگریز کی نظر کے نشانوں ہیں ایک تھا

قوم وطن کے ہوش ہزاروں سلام اُسے
دیتے ہیں ہم شہید معظم کا نام اُسے
کرتے ہیں احترام عقیدت گرام اُسے
رکھتے ہیں دِل سے یاد ہر صبح و شام اُسے

اس مخمس یا مسدس میں مضمون کے لحاظ سے ہر بند سے پڑھنے سننے والوں کو محبان وطن کے نام اور کام کا خیال خود بخود پیدا ہو جاتا ہے - چنانچہ ! پڑھئے !!

سلام

جس سے اے ہوش میرا مخاطب کلام ہے
اُس فخر قوم کو میرا سو سو سلام ہے

جس نے کہا کہ غیر کا ظالم نظام ہے | جس نے کہا کہ دیش ہمارا غلام ہے
جس نے کہا کہ موت غلامی کا نام ہے | جس نے کہا غلام کا جینا حرام ہے

اُس فخر قوم کو میرا سو سو سلام ہے
اُس فخر قوم کو میرا سو سو سلام ہے

جیلوں کی جس نے دور تک جھیلیں تھیں سختیاں | جس نے ہمارے واسطے کھائیں تھیں لاٹھیاں
شیریں بنا دیں جس نے شہیدی کی تلخیاں | جس نے اڑائیں سائمن کمیشن کی دھجیاں

جس کا وطن کے دل میں بڑا احترام ہے
اُس فخر - - - - - .

جس نے جوانیوں کی بہار دل میں جان دی | پھانسی کے جسنے ریشمی تاروں میں جان دی
ستلج کنارے جسنے شراروں میں جان دی | جسنے ادائے خاص سے ساروں میں جان دی

جسکی شہادتوں کا سمندر بھی جام ہے

اِس فخرِ قوم . . . .

جوشِ طبع میں آ کے جو السان سنبھل گیا | روپوش ہو کے روس سے برلن نکل گیا
غربت میں جو وطن کیلئے دل بہل گیا | جاپان سے جو آکے منی پور مچل گیا

جسکی فنا میں عمرِ بقائے دوام ہے

اُس فخرِ قوم . . . .

جس نے وطن میں کام ہی فرہاد سے کئے | جس نے خیال ہمارے دل آزاد سے کئے
جس نے مقابلہ دلِ فولاد سے کئے | جس نے دل و دماغ پر اتحاد سے کئے

جو ہند یونین کا گرامی امام ہے

اُس فخرِ قوم . . . .

بچپن سے جسکو آہنسا دھرم کا خیال تھا — حبِ وطن جوانی کا جس کے جمال تھا!
وسطِ حیات دیش بھگت جو کمال تھا — آزادیوں کا پیر جو پیرانہ سال تھا

لنگوٹی والا باپو پتا جس کا نام ہے

اُس فخرِ قوم . . . .

بھارت کو جسنے شانتی ہتھیار دیدیئے — جس نے دلوں کو جذبۂ ایثار دیدیئے
جس نے پیارے دیش کو سو پیار دیدیئے — ہر غم کے واسطے کئی غمخوار دیدیئے

خود جینا جینے دینا بھی جس کا پیام ہے

اُس فخرِ قوم . . . .

جسنے ہزار شان اور شوکت کو چھوڑ کر — پھینکی گلے سے عیش کی مالا مروڑ کر
جس نے وطن کی طوقِ غلامی کو توڑ کر — سینچا چمن کو خونِ رگِ جاں نچوڑ کر

جس کا وطن میں بادشاہ بے تاج نام ہے

اُس فخرِ قوم کو میرا سو سو سلام ہے

بھارت میں جسکی زندگی نشکام ہی رہی — دنیا میں جسکی محفلِ بے جام ہی رہی

جسکی تمام عمر پر ہنگام ہی رہی — جس کی شروع سے بسر بنی عام ہی رہی

غربت میں جسکی مرگِ جدائی کی شام ہے

اُس فخرِ قوم - - - - - - - -

بھارت کی جسنے فوج کو مشہور کر دیا — جسنے وطن سے خوفِ عدو دور کر دیا

جس نے فتح و ظفر سے من معمور کر دیا — جس نے اندھیرا وطن سے کافور کر دیا (دلوں)

جسکے اے ہوش حوصلوں کی دھوم دھام ہے

اُس فخرِ قوم - - - - - - - -

چہرے پہ جسکے چاند ستاروں کا نور ہے — دامانِ طور جسکے قراروں کا نور تھا ہے

غم میں بھی جسکے رخ پہ بہاروں کا نور ہے — جس ایک نیک دل میں ہزاروں کا نور تھا ہے

احسان جس کا دیش پر ہر صبح و شام ہے

اُس فخرِ قوم - - - - - - -

جس بلبلِ وطن کے ترنّم میں جان ہے		جس سے گلوں میں غنچوں میں شبنم میں جان ہے
جسکے قلم میں اور کلم میں جان ہے		جسکے قدوم فیض مکرم میں جان ہے

سازِ جمہور جسکے سبب ہر مقام ہے
اُس فخرِ قوم کو میرا سو سو سلام ہے

حبِّ وطن کی جسکے کہانی عجیب ہے		جسکے شباب دل کی جوانی عجیب ہے
نام و نشاں کی جسکے نشانی عجیب ہے		جو سنگ میلِ قوم کا بانی عجیب ہے

جو ہست بود ہند کا اب تک امام ہے
اُس فخرِ قوم کو میرا سو سو سلام ہے

ترنگے تجھے سلام

بہبودِ خاص و عام ترنگے تجھے سلام
جمہور کے پیام ترنگے تجھے سلام

اُفقِ وطن کے بام ترنگے تجھے سلام
جھنڈوں کے اے امام ترنگے تجھے سلام

اونچا ترا مقام ترنگے تجھے سلام
ترنگے تجھے سلام ترنگے تجھے سلام!

میرے وطن کی ایکتا کا ہے نشان تو
کلہم حدودِ وطن کا ہے پاسبان تو

جنگ و صلح و امن کا ہے بادبان تو
فتح و ظفر کا نصرتوں کا آسمان تو

ماضی کی یادِ رفتہ کی ہے داستان تو
ترنگا ہے تیرا نام ترنگے تجھے سلام

سائے ہیں تیرے قوم وطن کے جلے چراغ
سائے ہیں تیرے حبِ وطن کے ڈھلے ایاغ

سائے ہیں تیرے دردِ وطن کے پلے دماغ
سائے ہیں تیرے ہی ہوئے حاصل بھلے فراغ

تیرے ہی ہیں یہ کام ترنگے تجھے سلام
جھک جھک تجھے سلام ترنگے تجھے سلام

لہرائے جا تو موج سے لہرائے جا ترنگ
ہم کو رموزِ ایکتا سمجھائے جا ترنگ
خوش حالیوں ہیں تو برکتیں لائے جا ترنگ
نغماتِ زندگیٔ وطن گائے جا ترنگ

بھارت کی آن دہر میں چمکائے جا ترنگ
سب کا تجھے سلام ترنگے تجھے سلام

طوفان و برق و بار ہیں تو دلدلوں میں چل
میدانِ کارزار میں تو منچلوں ہیں چل!
جرأت سے جھومتا ہوا تو ولولوں میں چل
تو اڑ ہوا ہیں تیر جلوں ہیں قلعوں ہیں چل!

بھارت کی جسقدر بھی ہیں سب منزلوں میں چل
تیرے ہیں ہم غلام ترنگے تجھے سلام

خاکِ وطن عزیز ہے اس سے عزیز تو
جو جان سے عزیز ہو ایسی ہے چیز تو
اپنی مثال آپ تو اپنی تمیز تو
جتنا ہمیں عزیز ہے جو کچھ ہے نیز تو

القصہ اے ترنگے عزیز العزیز تو!
اے مسلم السلام ترنگے تجھے سلام
ہے

*. اتنا بھی ٹھیک ہے۔

تیری وفا سے عمر بھر انکار اگر کریں
تیرے سوا کسی سے ہم پیار اگر کریں!
تیرے بغیر سر کہیں سرشار اگر کریں
تیرے خلاف کوئی بھی تکرار اگر کریں
جینا ہمیں حرام ترنگے تجھے سلام
اپنا ہے ہوش نام ترنگے تجھے سلام

برسا رہی ہے پھول چمن میں بہار آج
ہر شاخ گل چمن میں ہوئی شکبار آج
ہر پھول پھول کر ہوا نکہت سوار آج
سینے پہ ہے کلی کلی کے ابھار آج
بھارت وطن زمین پہ ہے جنت شمار
لب پر مجھے تیرا نام ترنگے تجھے سلام

سارے وطن کے مرد و زن پیر و جوان آج
عیسائی جین ہندو سکھ اور مسلمان آج
سرکار و اہلکار اور بنیا کسان آج
زردار اور غریب اور مزدور کان آج
ساری کی ساری قوم کا ہندوستان آج
ہے محو احترام ترنگے تجھے سلام

۲۶ جنوری سنہ ۱۹۶۷ء عقیدت گلزار ہوش

سلام

اے مادرِ وطن تیری شفقت پہ ناز ہے
صدق و صفا پہ مہر و محبت پہ ناز ہے
جذبات و جوش و ہمت و غیرت پہ ناز ہے
ایثار و عزم و شوکت و عظمت پہ ناز ہے

نیتا کا ہوشن یومِ ولادت گرام ہے
سالارِ قوم کو میرا سو سو سلام ہے

ناز ہے ہم کو وطن کی سرزمین پر ناز ہے

ناز ہے ہم وطن کی سرزمین پر ناز ہے
اِس چمن کی ہر بہارِ دلنشیں پر ناز ہے
اِس کے ہر نظارہ ہائے بہتریں پر ناز ہے
اِس کی آبادی کی ہر جنسِ حسین پر ناز ہے
اِس کی خاکِ پاک ہے صد امن امن و امان
اِس کے ایثار و محبت کے یقین پر ناز ہے
ناز کے قابل اگر قدرت کا ہے کوئی مقام
اے جہاں والو ہمیں اس سرزمیں پر ناز ہے

کون ہے ہم سا جہاں میں حق پرست و حق شناس
ہم کو انسانوں کے فرضِ اولین پر ناز ہے
ہم نے تاروں سے بھی آگے کی خبر عالم کو دی
ہم کو سو صدیوں سے چشمِ دوربین پر ناز ہے
ثریا سے لے تا ثریا کاشف الاسرار ہم
اے وطن تیرے محقق ماہرین پر ناز ہے
ہیں فرشتے بھی ہماری عظمتوں کے معتقد
اور نوشتے ہیں ہماری حشمتوں کے معتقد

آج کی سائنس نہیں اپنا ابھی عشرِ عشیر!
آج بھی عالم میں مل سکتی نہیں اپنی نظیر!
آج بھی آمیزشوں سے پاک ہے اپنا خمیر
آج بھی بکتی نہیں کوڑی کے مول اپنی ضمیر!

آج بھی انسانیت کے فیض کا چشمہ ہیں ہم
آج بھی تعظیم کے قابل ہے ہر برنا و پیر
آج بھی اپنا پوتّر ہے بڑا ندیوں کا جل
آج بھی اپنی فضاؤں میں ہے سرستی کا پیر
آج بھی ہر بات میں اک آئینہ خانہ ہیں ہم
بخش دیتے ہیں خزانے آج بھی اپنے فقیر
آج بھی ہم ہیں بہی خواہ بشر سنسار میں
آج بھی اپنی نگاہوں میں نہیں کوئی حقیر
ہر روش سے یادگار رنگِ محفل ہیں ہمیں
آج بھی اپنی گذرگاہوں کی ہے اُجلی لکیر!

آج بھی امن و اماں قائم ہمارے دم سے ہے
آتشِ جنگ و جدل مدھم جو ہے وہ ہم سے ہے

ورنہ عالم کی تباہی کے ہیں ساماں ہو چکے

کیونکہ ہر اک دیش میں اِنساں ہیں حیواں ہو چکے

دیوتوں کے گِرد ہیں اب راکشوں کے جمگھٹے

حق و باطِل کے تقاضے سب نمایاں ہو چکے

ہو نہ ہو غرقاب ہو جائے یہ ہستی کا جہاز

موج کی آغوش میں پیدا ہیں طوفاں ہو چکے!

ہو چکا اِنسان اب قدرت سے غافل ہو چکا

بھیڑیئے اب پاسبانِ دین و ایماں ہو چکے

یہ سیاست کا دھرم سے رابطہ اچھا نہیں!

ہے اگر اچھا تو پھر ایمان ایماں ہو چکے

حسن میں ایک سادگی کا نور تھا جاتا رہا

عشق کا حسنِ وفا دستور تھا جاتا رہا

از ہوش

حق و مزاج

عقل و دانش ہوش سے ہی شیرماں دیکھا گیا
عادتوں سے ہی کسی کا خانداں دیکھا گیا

آنکھ کی پتلی سے سارا آسمان دیکھا گیا
تیری صورت دیکھ لی ہم نے جہاں دیکھا گیا

جس پہ تیری چشم شفقت کی عنایت ہو گئی
اُس پہ ایک عالم کا عالم مہرباں دیکھا گیا

مہرباں جس پر ہو اُوہ اُسکا دشمن کون ہے
بجلیوں کی گود میں بھی آشیاں دیکھا گیا

زندگی نے ڈال دی انساں پہ ذمہ داریاں
امتحانوں سے یہ مشکل امتحان دیکھا گیا

کب کسی نے حسن کے انجام کو سمجھا یہاں
کب کسی سے عشق میں سود و زیاں دیکھا گیا

دیکھ اے مزدور تو نے آجتک دیکھا نہیں
چمنیوں میں تیری آہوں کا دھواں دیکھا گیا

بعض لوگوں کی جوانی بھی جوانی نہ ہوئی
بعض کو پیری میں بھی مردِ جواں دیکھا گیا

ہوش ہر دم عاقبت کی فکر دامنگیر ہے
تیرے کندھوں پر بڑا بارِ گراں دیکھا گیا

فرضِ بشر

جو چاہے تو کیے جا کوئی روکتا نہیں
لیکن یہ نہ سمجھ کہ خدا دیکھتا نہیں!

فرض بشر جہاں میں مکر و ریا نہیں
دھوکا فریب خدمتِ خلقِ خدا نہیں

دیدہ و دل میں تیرے جذبۂ صدق و صفا نہیں
پھر تو اصول طاعتِ حق جانتا نہیں

دنیا میں تجھ کو دین کا بالکل پتا نہیں
یعنی تو خود پرست ہے خود آشنا نہیں

انسانیت کا بشر کو بے تنک غرور ہے
مانا بشر یہ خاص کچھ لطفِ حضور ہے

یہ بھی درست ہے کہ وہ ربِ غفور ہے
پرسشِ ہر ایک جرم کی پھر بھی ضرور ہے

روزِ حساب ہوتی عنایت ذرا نہیں
جو چاہے تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دیکھا کسی برے کو تو رشک آ گیا تجھے ۔ اچھے کو حسد دیکھ کر اُکسا گیا تجھے
چپکا کوئی نصیب تو غم کھا گیا تجھے ۔ رُویا کوئی غریب تو ہنسا گیا تجھے

اُنجام اس کا کیسا ہے تو جانتا نہیں
اَنجام کار دیکھ لے ہرگز بھلا نہیں

شب کو فلک پہ چاند ستاروں کی آنکھ ہے ۔ دِن کو زمیں پہ فصلوں بہاروں کی آنکھ ہے
پیشِ نظر ہے جتنے نظاروں کی آنکھ ہے ۔ تُو ایک ہے تو تجھ پہ ہزاروں کی آنکھ ہے

اِنتہا ہد دل کو پاس کسی کا ذرا نہیں
جو چاہے تو کئے جا کوئی روکتا نہیں

تو جو بھی کر رہا ہے ہواؤں نے تک لیا ۔ اَرض و سما کی ساری فضاؤں نے تک لیا
بادل بھی تک چکے ہیں گھٹاؤں نے تک لیا ۔ شبنم کے موتیوں کی اداؤں نے تک لیا

ہیں اِتنے تک چکے کہ کوئی انتہا نہیں
جو چاہے تو ـ ـ ـ

پہنے ہیں تُو نے تسبیح و زنار کس لئے
مندر سے مسجدوں سے کیا پیار کس لئے
جھوٹی ادا نماز کی آے یاد کس لئے
ڈالے گلے میں مورتی کے ہار کس لئے

ڈرتا ہے کس سے دل گر خوفِ خُدا نہیں
جو چاہے تو کئے جا کوئی روکتا نہیں

دُنیا میں ہیر پھیر تو کرتا ہے کس لئے
خود غرضیوں پہ رات دن مرتا ہے کسلیے
تو راستی سے ہر جگہ ڈرتا ہے کس لئے
دلدل میں پاؤں جان کر دھرتا ہے کسلئے

دانا ہے ہوش تو مگر کچھ جانتا نہیں
نیکی بدی کو دُنیا میں پہچانتا نہیں
جو چاہے تو کئے جا کوئی روکتا نہیں!
لیکن نہ یہ سمجھ کہ خدا دیکھتا نہیں

از ہوش ۲ مارچ سنہ ۱۹۶۰ء
عدلی والہ تحصیل اجنالہ امرتسر۔

نگارِ آفرینش

نہ مندر میں خدا کا گھر نہ مسجد میں خدا قیدی !
بڑی مشکل سے ہوتا ہے دلوں میں دلربا قیدی

نہ وید اس نے بنائے ہیں نہ قرآں اسنے بھیجی ہے
شکل ہندو مسلمان کی الگ کب ایک جیسی ہے

گرانے سے جو گر جائے نہیں تعمیر وہ اُس کی
مٹانے سے جو مٹ جائے نہیں تحریر وہ اسکی

مذاہب کے یہ جھگڑے خیالوں نے کئے پیدا
یہ سارے تفرقے انسانی چالوں نے کئے پیدا

خدا کو ماننے والو! خدا جب ایک ہے سب کا
تو مل کر زندگی کا تو ارادہ نیک ہے سب کا

میری تقدیر و دل دونوں نگارِ آفرینش ہیں
گراؤ تو سہی دونوں حصارِ آفرینش ہیں

عاشق کی عید

اذاں اک شور ہے سنتے نہیں جو کان عاشق کے
نمازیں خود پکاریں ہم پہ ہیں احسان عاشق کے

عمر کے جسقدر ہیں سال ہیں رمضان عاشق کے
ازل سے روزئے روزہ ہیں جسم و جان عاشق کے

اُسے عیدوں سے کیا؟ کہ لذتِ غم عید ہے اسکی
جہاں کی ایک دو عیدیں تو ہر دم عید ہے اسکی

خطرات -

مسجد کے گرانے سے اسلام کو کیا خطرہ
مندر کے گرانے سے میرے رام کو کیا خطرہ

خطرے ہیں تو انساں کے اخلاق کو خطرے ہیں
خطرے ہیں تو انساں کے اتفاق کو خطرے ہیں

اخلاق کی برکت سے آباد ہوئیں قومیں
اتفاق کی برکت سے آزاد ہوئیں قومیں

خطرے سے ہی انساں کو خطرے ہوئے پیدا ہیں
جھگڑے سے ہی انسان کے جھگڑے ہوئے پیدا ہیں

ہندو ہو مسلماں ہو سکھ ہو کہ ہو عیسائی
سب ایک کی اُمت سے آپس میں ہیں سب بھائی

لو اور سنو! مجھ سے ناموس و اذاں والو!
لو اور سنو! مجھ سے اے اہلِ جہاں والو

خوش رنگ تماشا

ہیں جیسے جدا ہم تم گر ویسے خدا ہوتے
اور جیسے جدا ہم ہیں اللہ بھی جدا ہوتے

ہو جاتی خداؤں میں بھی جنگ و جدل پیدا
ہو جاتی ہواؤں میں بھی جنگ و جدل پیدا

مچ جاتا زمانے میں شور خداؤں کا
ہو جاتا حقیقت پر اک زور بلاؤں کا

اِس محفلِ رنگیں کا کچھ رنگ نیا ہوتا
اِنسان کی صورت کا ہر ڈھنگ نیا ہوتا

اور ایسا نہیں ہرگز ہے ایک خدا سب کا
تم نیک بنو سارے ہے نیک خدا سب کا

اِیمان ہی مِل جُل کر رہنے کا تقاضا ہے
اِتفاق ہی دُنیا کا خوش رنگ تماشا ہے

از ہوش آدیب عالم امرتسر

عاقبت پر ایک نظر

سُن ذرا اے مشتِ خاکِ جنسِ آدم سُن ذرا
لقمۂ عشرت کے عادی نوحۂ غم سُن ذرا
ہر کسی کو دہر میں فرصت ملی ہے کم سن ذرا
دے نہ جائے ہستیٔ فانی کہیں دم سن ذرا

نہ ہو جائیں گوش تیرے اور میری آواز بند
نہ ہو جائے بجتا بجتا زندگی کا ساز بند

خوابِ غفلت سے ذرا بیدار ہو ایسا نہ ہو
چھوڑ یہ دیوانہ پن ہوشیار ہو ایسا نہ ہو
ہر کسی کا دہر میں غمخوار ہو ایسا نہ ہو
تو سراپا جذبۂ ایثار ہو ایسا نہ ہو

تو تماشا بن نجائے دوش پر احباب کے
تیری بیداری خرا نٹے سے عدم کے خواب کے

کچھ نہیں تو ہر کسی کو تو سمجھ اپنی مثال
تیرے اعمالوں کا تجھ پہ خود ہی کھل جائیگا حال
خود بھی ناداں کرے گر آپ سے اپنا سوال
یہ خیالاتِ مَن و مائی تو دے دل سے نکال!

تجھ پہ کھل جائیں گے تیری نخوتوں کے راز سب
گونج اٹھے گی کانوں میں یوں ہوش کی آوازیں سب

تو عدم سے جانب ہستی تھا آیا کس لئے!
تجھ کو اس وادی کا تھا رستہ دکھایا کسلئے
مرغِ روح اس قالبِ خاکی میں آیا کسلئے
دستِ قدرت نے تجھے انساں بنایا کسلئے

کس لئے درجہ ملائک سے کیا تیرا بلند
کس لئے عرشِ بریں پر ہے تیرا چرچا بلند

تجھ کو بھیجا ہے جہاں میں خستہ حالوں کیلئے!
تو سہارا بن اے غافل پائمالوں کے لئے
تجھ کو دِل بخشا ہے دارو داد والوں کیلئے
تیری ہر نیکی ہے نادان آہ و نالوں کیلئے

جذبۂ ایثار خوبی ہے بشر اک کام کی
مہر ہے دامن پہ تیرے آدمی کے نام کی

تو رکاوٹ بن نہ دنیا میں کسی کے کام کی
تو نہ بن تلخی کسی کے گردشِ ایام کی!
چاہئے ہر دل عزیزی تجھ کو خاص و عام کی
حسن سیرت سے بدل تعبیر صبح و شام کی

بے کسوں کی آہ سے ٹکرائے تو اچھا نہیں!
مفلسوں کے اشک میں بہ جائے تو اچھا نہیں

از ہوش

توحید

ہندو کا جو بھگوان ہے مسلم کا خدا ہے

جس نور سے معمور ہوا ارض و سما ہے
جس نور کی ہر ذرے میں مستور ضیا ہے
جس نور کی تکریم سے آن اجل ہے ہوا ہے
جس نور سے ہنگامہ ہستی یہ بپا ہے

جو سب میں ہے موجود مگر سب سے جدا ہے
ہندو کا وہ بھگوان ہے مسلم کا خدا ہے

ہر بستر رہا جسکی ہے توحید کا قائل
ہر طبقہ ہے جس ذات کی تائید کا قائل
ہر دور ہے جس آس کا امید کا قائل
ہر دیدہ و دل جس کی رہا دید کا قائل

جو دائم و قائم ہے ازل سے ہے بقا ہے
ہندو کا وہ بھگوان ہے مسلم کا خدا ہے

یہ وید اُسی کے ہیں یہ قرآن اُسی کا! سب مذہبی گرنتھوں میں ہے فرمان اُسی کا

پوجا میں نمازوں میں بسا دھیان اُسی کا ہر دھرم اُسی کا ہے ہر ایمان اُسی کا!

ناقوس و اذان جس کی عبادت کی صدا ہے

ہندو کا وہ - - - - - - -

تولید جو مسلم کی وہ ہندو کا جنم ہے پرلوک جو ہندو کا وہ مسلم کا عدم ہے

جو دین مسلمان کا وہ ہندو کا دھرم ہے جو فعل مسلمان کا وہ ہندو کا کرم ہے

اِک آنکھ سے جو دونوں نشاں دیکھ رہا ہے

ہندو کا وہ - - - - - - -

ہندو کی جو بھگتی ہے وہ مسلم کی عبادت پوجا جو برہمن کی وہ ملّا کی ریاضت

ہندو کا جو تیرتھ وہ مسلماں کی زیارت وشواس جو ہندو کا وہ مسلم کی عقیدت

مطلب تو وہی ایک جداگانہ کتھا ہے

ہندو کا جو بھگوان ہے مسلم کا خدا ہے!

پسِ مرگ کوئی لاش کو مٹی میں دبا دے
اور لاکھ تکلّف سے کوئی قبر بنا دے *
شمشان میں لے جائے کوئی آگ لگا دے
زمزم میں کوئی چھوڑ دے گنگا میں بہا دے
جب قادرِ مطلق کی لگی مہرِ قضا ہے!
ہندو کا وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جز نام بقایا کوئی صورت نہیں رہتی
ترتیب عناصر کی یہ مورت نہیں رہتی
مُردے کی عزیزوں کو ضرورت نہیں رہتی
اس جسم سے میلان و کدورت نہیں رہتی
جس نے کیا انسان کو بے مہر و وفا ہے
ہندو کا وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

خورشید و مہ و انجم و تارے ہیں برابر
گردش میں شب روز سیارے ہیں برابر
ایک نور کے سب نوری پسارے ہیں برابر
ہر ہندو و مسلم کے نظارے ہیں برابر
سمجھیں نہ جو یہ بات تو پھر کس کی خطا ہے
ہندو کا جو بھگوان ہے مسلم کا خدا ہے!

* انداز تکلف سے کوئی ..... بھی ٹھیک ہے

دھرتی سے اُگائی ہے نباتات یہ جس نے
خورشید سے پیدا کیے دن رات یہ جس نے
پانی سے اُڑائے ہیں بخارات یہ جس نے
آکاش سے کی امرتی برسات یہ جس نے

ہر جس ناظمِ قدرت کا نظام اتنا بڑا ہے

ہندو کا وہ ....

ہر غنچہ و گل شاخ و شجر سرو و سمن سب
ہر بادِ چمن رنگِ چمن ہر مرغِ چمن سب
ہر رفعتِ کوہ دامنِ کاہ دشت و دمن سب
ہر زینتِ گلزار و سجاوٹ یہ پھبن سب

جس پردہ نشین حسن کی ضو جلوہ نما ہے

ہندو کا وہ ....

تم رنگِ تغیر کے کرشمات تو دیکھو !
اور بنتی بگڑتی ہوئی ہر بات تو دیکھو
ٹوٹا نہ کسی سے یہ طلسمات تو دیکھو!
ہر چیز میں قدرت کی مساوات / ملاقات تو دیکھو

لاعلمی کے پس و پیش میں بھلا کون کھڑا ہے

ہندو کا جو ....

وہ جسکے کہ دستور کی ترمیم نہیں ہے — وہ جسکی تنظیم سی تنظیم نہیں ہے
محتاج ثنا جسکی کہ تعظیم نہیں ہے — وہ جس سے وسیع کوئی بھی اقلیم نہیں ہے
جو حاکم تسلیم ہے سلطانِ رضا ہے
ہندو کا جو . . . .

ہر چیز کے ناموں کا زبانوں میں فرق ہے — طبقاتی علاقائی بیانوں میں فرق ہے
اَن دیکھے حقیقت سے گیانوں میں فرق ہے — دراصل یہ در پردہ نشانوں میں فرق ہے
جب آنکھ کھلی لب سے اُٹھی ایک صدا ہے
ہندو کا جو . . . .

گر ہوتے جدا ہوتی خداؤں میں لڑائی — چھڑ جاتی فضاؤں میں ہواؤں میں لڑائی
ٹھن جاتی برشگال گھٹاؤں میں لڑائی — ہو جاتی صبح و شام شعاؤں میں لڑائی
پھر ہوش نے جو مصرعہ کہا ٹھیک کہا ہے
ہندو کا جو . . . .

سائینس نے سیاست نے ہے خود غرضی سکھائی — یہ حرص و ہواؤں نے ہے شطرنج بچھائی

بے ہود گئے ذوق نے یہ آگ لگائی — یہ شیخ و برہمن کی بدولت ہے لڑائی

ورنہ یہی اتفاق سے رہنے میں مزا ہے

ہندو کا جو ....

ہر پیر و پیغمبر نے رضا جسکی کو مانا — ہر ایک نے درگاہِ علا جسکی کو مانا

ہر جنبش فنائے بقا جس کی کو مانا — ہر اب نے دعاؤں میں ثنا جس کی کو مانا

محتاجِ کرم جس کا ہر اک شاہ و گدا ہے

ہندو کا جو ....

جو پرسشِ اعمال کے دفتر کا ہے مالک — جو محتسبِ فعل ہے محشر کا ہے مالک

جو گلشن و گلزار و گل تر کا ہے مالک — جو روح و تنِ اصغر و اکبر کا ہے مالک

جو روزِ جزا بحرِ کرم ابرِ سخا ہے

ہندو کا جو بھگوان ہے مسلم کا خدا ہے

یہ نوکِ قلم جس سے میری صرفِ غزل ہے — جس حکمت کامل نے مجھے بخشی عقل ہے
جس فاضل برتر کا تخیل یہ فضل ہے — ہر بات میں جس قدرتِ کامل کا دخل ہے
یہ سوزِ سخن جس سے ہوا ہوشؔ عطا ہے

ہندو کا جو ۔۔۔۔۔۔۔

آؤ سبھی مل جل کے اسی ذات کو مانیں — سب اپنے بزرگوں کی کہی بات کو مانیں
اخلاق سے تہذیب سے حضرات کو مانیں — اور بہر امن سب کی مساوات کو مانیں
اور جانیں کہ جو ایک ہے اور ایک رہا ہے
ہندو کا جو بھگوان ہے مسلم کا خدا ہے

از ہوشؔ

سنہ ۱۹۷۱-۷۲ء

بھگت اور بھگوان

اشرف المخلوق تو اور بندہ و بھگوان تو
خادم و مخدوم تو اور بھگت اور بھگوان تو

راز ہستی ڈھونڈتا پھرتا ہے کیوں انساں تو ہو رہا ہے کسلئے یوں خواہ مخواہ حیراں تو
کس لئے اپنے ہی جیسوں سے ہے محو شاں تو کیوں اُٹھاتا ہے کسی کا مفت میں احساں تو

اشرف المخلوق تو اور بندہ و انساں تو
خادم و مخدوم تو اور بھگت اور بھگوان تو

بندۂ حرص و ہوا ہر دم بنا رہتا ہے تو ہر گھڑی گم گشتۂ عقل رسا رہتا ہے تو
خود پرستی میں خودی میں مبتلا رہتا ہے تو اپنے عملِ عین سے نا آشنا رہتا ہے تو

فرض کی اپنے نہیں کرتا ذرا پہچان تو
حیف دانی کے ہوتے بھی رہا ناداں تو

۱۹۷۶-۷۷ء

دولت صدق وصفا سے دل کو مالا مال کر
خود بھی تو خوشحال ہو اور دوں کو بھی خوشحال کر
طمع والفت تکبر طیش کو پائمال کر !
اپنی خوش فہمی سے ہر دم فکر خوش اعمال کر

ضامن امن و اماں ہے دھرم اور ایمان تو
اور عدل انصاف کی اخلاق کی ہے شان تو

صانع قدرت کی سب سے صنعت افضل ہے تو
دست قدرت کا نمونہ فن کامل ہے تو
جذبۂ ایثار دل سے زاہد قابل ہے تو
بے تکلف بارگاہ یار میں داخل ہے تو

تو ملاقاتی خدا کا اور ہے رضوانی تو
اور تو مختار فعل و صاحب فیضان تو

حسرتی ہے حسرتوں کا تیرے ہر اک دیوتا
نرگسی آنکھوں سے وہ تیری طرف ہے دیکھتا
تیری سیوا کے سبب سے تجھ کو ہے وہ سیوتا
تو ہے فیض مہر والفت تو ہے فضل ایکتا

جذبۂ ایثار و ہمدردی کا ہے سلطان تو
سوچ آسانی سے اپنے نفع اور نقصان تو

دیر تک جینے کے اس دُنیا میں تو ساماں نہ کر
اَور دراز حد سے زیادہ حرص کے داماں نہ کر

خود بھی تو حیراں نہ رہ اوروں کو بھی حیراں نہ کر
دلِ ریختہ یاس و حرماں حسرت و ارماں نہ کر

اس سرائے دہر میں ہے چار دن مہمان تو!
آخرت اُس ذات کا ہے تابعِ فرمان تو

کہیں رحمت خدا کی ہے کہیں زحمت خدا کی ہے
جدھر تکتا ہوں ہر جانب عجب قدرت خدا کی ہے

کہیں کھائے ہیں قسمت کے کہیں برکت خدا کی ہے
کہیں تن من میں سستی ہے کہیں حرکت خدا کی ہے

کہیں پر شان و شوکت میں بڑی شفقت خدا کی ہے
کہیں ہے خاکساری اور کہیں عظمت خدا کی ہے

شانِ خُدا

کہیں دھن مال و دولت سے بھری تجوریاں لاکھوں
کہیں بنگلے کہیں فارم کہیں ہیں کوٹھیاں لاکھوں
کہیں ہیں سازو سامان حشم اور چاپیاں لاکھوں
کہیں جشنِ چراغاں اور شمعیں بجلیاں لاکھوں
کہیں پر شان و شوکت ہیں بڑی شفقت خدا کی ہے
کہیں رحمت خدا کی ہے کہیں زحمت خدا کی ہے

کہیں دی تنگدستی مفلسی اور فاقہ مستی دی
کہیں صبر و شکیب دل غنی اور حق پرستی دی!
کہیں سو نعمتوں کی ایک نعمت تندرستی دی
کہیں عیشِ فراواں ہوس راحت زر پرستی دی
کہیں ہے خاکساری اور کہیں عظمت خدا کی ہے

کہیں دھن مال و دولت کی فراوانی فراوانی
کہیں افلاس و غربت تنگدستی اور عریانی
کہیں عیش و طرب شام و سحر حاصل باآسانی
کہیں شامِ غریباں کی اُداسی اور پریشانی
کہیں گھاٹے ہیں قسمت کے کہیں برکت خدا کی ہے
کہیں رحمت خدا کی ہے کہیں زحمت خدا کی ہے

کما کر کوئی کھاتا ہے کوئی کھاتا کمائی ہے
کسی کی خون پسینہ کی کسی نے مفت پائی ہے
کسی نے بے طلب پائی کہیں مشکل سے آئی ہے
خدا کا کھیل ہے جسکی کھلاڑی سب خدائی ہے

سمجھ سے ہوش جو باہر ہے وہ حکمت خدا کی ہے

میرے حسنِ بیاں میں شوخئ ندرت خدا کی ہے

میرے دل میں دعا اسکی میرے لب تمنا اسکی
میں راضی ہوں اسی میں ہوش ہے جو بھی رضا اسکی
مجھے ہے اعتماد اُس پر یہی تو ہے عطا اُس کی
خطا میری جرم میرا سزا میری جزا اُس کی

ہر اک نسبت میں جو نسبت ہے، وہ نسبت خدا کی ہے

میری نوکِ قلم پر مہر اور شفقت خدا کی ہے

کہیں رحمت خدا کی ہے کہیں زحمت خدا کی ہے

جدھر تکتا ہوں ہر جانب عجب قدرت خدا کی ہے

از ہوش

جون ۱۹۷۸ء

میں کون ہوں

ہندو ہوں نہ مسلم ہوں سکھ ہوں نہیں عیسائی　　ملا ہوں نہ پنڈت ہوں رشی ہوں نہ گوربھائی

مندر میں نہ مسجد میں گرجا میں نہ خود رائی　　نہ کتب مذاہب سے رکھتا ہوں شناسائی

تفریق سے نفرت ہے تقسیم سے نفرت ہے

انسانوں کی نفرت کی تعلیم سے نفرت ہے

قدرت کے مصور کی تصویر کا شیدا ہوں　　ایثار کی ہر ممکن تدبیر کا شیدا ہوں

ہر چیز میں خالق کی تنویر کا شیدا ہوں　　ہر اک مقدر کا تقدیر کا شیدا ہوں

انسان سے ہمدردی ہر جان سے ہمدردی

میں امن یہ پجاری ہوں ایمان سے ہمدردی

محروم ریاکاری یہ میری اطاعت ہے　　معصوم جفاداری یہ میری زیارت ہے

معلوم وفاداری یہ میری امانت ہے　　مفہوم خداداری یہ میری عبادت ہے

ناقوس و اذاں سن کر بھولا میں نماز اپنی !

بھولا میں حقیقت کی ہر عرض و نیاز اپنی !

میں خواب میں غفلت کے انعام عطا بھولا — ایثار و محبت کی انسانی ادا بھولا !

ہر ایک عبادت کی ہر رمز دعا بھولا — احساس مگر یہ ہے مجھ کو اپنی وفا بھولا

بھولا ہوا پھرتا ہوں بھٹکا ہوا پھرتا ہوں

ہر دارِ ماضی پہ لٹکا ہوا پھرتا ہوں !

قدرت نے فزوں دل سے احساس مجھے بخشا — اور شمیم خرد نوریں الماس مجھے بخشا !

دل رازِ حقیقت کا اک پاس مجھے بخشا — جو شرف مجھے بخشا وہ راس مجھے بخشا

بخشش سے عطاؤں سے بھرپور کیا مجھ کو !

اور نورِ مراد اس سے پر نور کیا مجھ کو

افسوس کہ میں اپنا کردار نہیں سمجھا — کندھوں پہ فرشتوں کا کچھ بار نہیں سمجھا

میں روزِ قیامت کا دربار نہیں سمجھا — اس ناظم قدرت کی سرکار نہیں سمجھا !

شدت سے گناہوں کی تن من پہ تھکن پائی ہے

حیران ہیں کہا یا جو وہ صن دنیا پائی ہے